ماہنامہ

محدث

بنارس

سرپرست

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر

مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۳۹

جلد: ۳۰ ، شمارہ: ۳

ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

مارچ ۲۰۱۲ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب

وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab,

Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ......	مولانا اسعد اعظمی	۶
۵-سیرت نبویہ: ایک مطالعہ...	اسلم ابوالمعتصم مبارکپوری	۱۰
۶-تقلید-چند آیات کی روشنی میں	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۲۲
۷-جین مت کی تعلیمات	مولانا محمد مستقیم سلفی	۲۵
۸-نکاح کے احکام ومسائل	ابوطاہر بن عزیز الرحمٰن سلفی	۲۷
۹-عظیم عربی واسلامی اسکالر......	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۲
۱۰-راز فاش کرنا ایک مذموم عمل	سعید الرحمٰن عبدالمجید	۳۸
۱۱-......برہان التفاسیر......	مولانا اسعد اعظمی	۴۱
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۴
۱۳-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۴-سبحان اللہ	سالک بستوی	۴۶
۱۵ -باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(۴)

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

ہمارے سامنے دو راستے ہیں ایک اجتہاد اور غور وفکر کا، دوسرا عدم اجتہاد اور اندھی تقلید کا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ نجات کی گارنٹی ہے بلکہ یہ صراط مستقیم اور اللہ کے رسول محمد ﷺ پر نازل ہوئی شریعت کو پانے اور اس کو حاصل کرنے کے راستے ہیں۔

نجات کے حصول کے لیے عمل ضروری ہے اور اسی عمل کی بنیاد پر ہمارا فیصلہ ہوگا، جب تک ہمارا عقیدہ وایمان صحیح نہیں ہوگا، ہمارے نیک اعمال ہمارے کام نہیں آئیں گے، ایمان باللہ وایمان بالرسول دونوں صحیح ہونا چاہئے، جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے پہلا جزء ہے، جس کو ہم کلمۂ شہادت کہتے ہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے مختلف مقامات پر آخرت کی کامیابی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل کا ذکر کیا ہے۔ سورہ حج: ۵۶ میں فرمایا: ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ، فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِيْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ﴾ بروز قیامت حکومت اللہ کی ہوگی، وہی سب کا فیصلہ کرے گا، پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہوں گے نعمت والی جنت میں رہیں گے۔

ایمان کے ساتھ عمل کا تذکرہ مختلف مقامات پر اور مختلف پیرایوں آیا ہے، سورہ مریم، سورہ طہ اور سورہ فرقان میں توبہ کا ذکر بھی ایمان وعمل کے ساتھ ہے، جہنم میں نہ جانے اور جنت میں داخل ہونے والے کے بارے میں فرمایا:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُوْلٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ۔ مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

سورہ اعراف: ۴۳ میں جنتی اور جہنمیوں کے آپس میں بات چیت کا ذکر ہے، جنتی لوگ کہیں گے: ﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا .....﴾ وہ اللہ کی تعریف وحمد وبیان کریں گے کہ اللہ نے ان کو ہدایت دی، اگر اللہ ہدایت کا راستہ نہ دکھاتا تو ہدایت کا راستہ نہ پاتے، بیشک ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، اور ان جنتوں کو پکار کر کہا جائے گا کہ یہ جنت تمہارے ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اہل حدیث یا غیر مقلد ہوگئے تو جنت میں جائیں گے، یہ خیال درست نہیں، جنت اور نجات کے حصول کے لیے صحیح ایمان اور اس کے مطابق عمل ضروری ہے اور یہ کہ ہمارے اعمال اللہ کے رسول محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہو، اعمال کی قبولیت کے لیے سنت کے مطابق ہونا شرط ہے، جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے یوں فرمایا کہ جس راستے پر میں اور میرے صحابہ گامزن ہیں، یعنی مختلف طریقوں میں جو راستہ آپ کے زمانہ میں قائم دین سے مطابقت رکھے وہی سب سے زیادہ صحیح اور نجات کا راستہ ہے۔

اللہ تعالی نے سورہ محمد: ۳۳ میں مومنین (یعنی صحابہ کرام) کو خطاب کرکے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ﴾ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل وضائع مت کرو، یعنی اگر ہمارے نیک اعمال آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہیں ہوں گے تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہوں گے بلکہ باطل وضائع ہوجائیں گے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کے چچا ابوطالب کے کارنامے بہت نمایاں ہیں، آپ نے اپنے بھتیجے محمد ﷺ کی بہت مدد کی، آپ کے لیے بائیکاٹ کی مصیبت برداشت کی، اچھے انسان تھے، آپ سے بے حد محبت رکھتے تھے، مگر ایمان وعقیدہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے جنت نہیں ملے گی۔

فاعتبروا يا أولي الأبصار. ☆ (جاری)

درس حدیث

اچھے ناموں سے ذکر کرو

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ حِذَيَمٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اَنْ يُدْعىٰ الرَّجُلُ بِاَحَبِّ أَسْماءِ هِ إِلَيْهِ وَأَحَبِّ كُنَاهُ. (الأدب المفرد ،ح:۸۱۹)

ترجمہ: حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آدمی کو اس کے اپنے سب سے پسندیدہ نام اور سب سے پسندیدہ کنیت سے پکارا جائے۔

نام انسان کی شناخت اور پہچان کا ایک ذریعہ ہے اس لیے بچوں کے اچھے نام رکھنے چاہئیں، ایسے نام جو معنی کے اعتبار سے اچھے، زبان پر ادائیگی آسان اور عرف عام میں مانوس ہوں، انبیاء کرام، صحابہ وصحابیات کے نام اچھے ناموں میں سے ہیں۔

جس شخص کا جو نام ہو اسے اس کے پورے نام سے پکارا جائے، اگر اللہ نے کسی کو کسی شرف سے نوازا ہے تو تحدیث نعمت کے طور پر اگر اس کے نام کے ساتھ شرف کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ اچھی بات ہے، اگر عرف عام میں یہ چیز رائج ہو اور اسے اس پر کوئی اعتراض نہ ہو اور نہ ہی کبر پیدا ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً مولانا، ماسٹر، ڈاکٹر، پروفیسر، انجینیر وغیرہ بلکہ بسا اوقات شرف کا نہ ذکر کرنا حرج کا باعث بن جاتا ہے اور اسے عدم احترام یا تذلیل وتحقیر پر محمول کیا جانے لگتا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہی تعلیم اور ادب سکھلایا ہے کہ ہر شخص جس نام سے پکارے جانے کو پسند کرتا ہے لوگ اسے اسی نام سے پکاریں اس سے باہم اخوت ومحبت میں اضافہ ہوگا اور جو عزت واحترام یا شفقت واپنائیت اس کے لیے ہمارے دل میں ہے اس سے اس کا اظہار بھی ہوگا۔

میں نے زمانہ طالب علمی میں اپنے اساتذہ کرام کو دیکھا کہ وہ کسی شاگرد کو پکارتے یا مجلس میں ذکر کرتے تو عرف عام کے مطابق نام کے ساتھ شرف مثلاً مولوی، مولانا، شیخ وغیرہ ضرور ذکر کرتے تھے، محبت واپنائیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس انداز تخاطب سے یہ تعلیم دینا مقصود ہوتا تھا کہ اہل علم وفضل کا تذکرہ کیسے کیا جائے، سچی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صاحب علم وفضل کا نام آدھا ادھورا لیکر بلاتا ہے یا مجلسوں میں بے ادبی سے نام لیتا ہے تو اس سے وہ خود اپنے ظرف کو بیان کرتا ہے کہ وہ ادب، تہذیب اور شائستگی کے کس معیار کا انسان ہے اور یہ بھی مستبعد نہیں کہ اس کا نام بھی مجلسوں میں اسی بے ادبی کے ساتھ آدھا ادھورا لیا جائے۔

اسی لیے کہا جاتا ہے عزت دوگے تو عزت ملے گی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسرے مسلمان کے لیے پسند کرو تب تمہیں کمال ایمان حاصل ہوگا۔

افسوس کی بات ہے کہ مسلم معاشرہ ناموں کے ساتھ بلانے کے سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے اور عزت کے ساتھ نام لینا تو دور کی بات پورا نام لینا بھی گوارا نہیں، اگر کسی کا نام عبدالمحسن (احسان کرنے والے کا بندہ) تو ہم اسے محسن (احسان کرنے والا) کہہ کر بلاتے ہیں اور ایسے ہی اور مثالیں بھی ہیں اس ادھورے نام سے معنی کی کتنی بڑی تبدیلی پیدا ہوگئی، اس پر ہم غور کریں۔

اس طرح کا ادھورا نام لینا حقیقت میں نام کو بگاڑنا ہے اور یہ قطعاً جائز نہیں ہے اگرچہ یہ عرف عام میں رائج کیوں نہ ہو، ہاں نام میں اختصار جائز ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں مگر ایسا اختصار جس سے معنی بدل جائے یا جو نام والے کو پسند نہ ہو یا جس سے تحقیر اور اہانت جھلکتی ہو ہرگز جائز قرار نہیں دیا جا سکتا، قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا:

﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان﴾ (الحجرات/ ۱۱) کسی کا نام بگاڑ کر اسے مت بلاؤ ایمان لانے کے بعد فسق کے ساتھ کسی کا ذکر کرنا بری بات ہے۔

اس لیے ناموں کے رکھنے اور ناموں کے ساتھ بلانے کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات اور سلف کی سیرت کو اختیار کیا جائے۔ اور اس سلسلہ میں جو باتیں اصلاح طلب ہیں ان کی اصلاح کی جائے، اہل علم وبا اثر افراد خود اس سلسلہ میں عوام کے لیے اچھا نمونہ بنیں۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

سرزمین فلسطین: یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

ماضی بعید میں شام کے ایک حصے فلسطین و بیت المقدس کی سرزمین پر عمالقہ حکمراں تھے، اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر ان سے جہاد کرو، لیکن بنی اسرائیل نے حکم عدولی کی تو چالیس سال کے لیے ان پر میدان تیہ میں بھٹکنا مقدر کیا گیا، اسی دوران حضرت موسی وحضرت ہارون علیہما السلام انتقال کر گئے، ان کے بعد یوشع علیہ السلام نے عمالقہ سے جہاد کر کے بیت المقدس کو مرکز توحید بنا دیا، اور کفر وشرک کا خاتمہ کر دیا، وہ جہاد کرتے ہوئے بیت المقدس کے قریب پہنچ گئے، سورج غروب کے قریب آ گیا، انہوں نے آفتاب کو خطاب کر کے کہا: تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اللہ ہی کے حکم کا پابند ہوں! اے اللہ اسے ڈوبنے سے روک دے۔ (بخاری ح ۳۱۲۴) اللہ نے سورج کو ڈوبنے سے روک دیا اور یوشع علیہ السلام نے بیت المقدس کو بحکم الہی فتح کر لیا۔

دیکھئے وقت کے نبی اور ایک اللہ کے بندے کے لیے اللہ نے بیت المقدس کے دروازے کھول دیئے، اور اللہ کے حکموں سے بغاوت کرنے والوں کو مغلوب بنا دیا، اور اس فتح کی خاطر آفتاب کو ڈوبنے سے روک دیا۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی بیت المقدس کی فتح کی بشارت دی ہے۔ (بخاری ح ۳۱۷۸)

امیر المومنین عمر بن خطاب کے زمانہ میں امیر عسکر ابوعبیدہ ؓ بن الجراح نے اہل ایلیا (بیت المقدس) کے پادریوں اور سکان کے نام تحریر میں لکھا: ہم تمہیں لا اله الا الله محمد رسول الله کی شہادت کی دعوت دیتے ہیں، سنو قیامت بے شبہ آئے گی، اور اللہ ہر ایک کو قبر سے اٹھائے گا، اگر ان باتوں کی تم شہادت دیتے ہو تو ہمارے اوپر تمہارا خون، مال واولاد حرام ہوگی، اور تم ہمارے بھائی ہوگے، اور اگر تم نے ان باتوں سے انکار کیا تو تمہیں ذلیل ہو کر جزیہ ادا کرنا پڑے گا، اور اگر اس سے بھی انکار کیا تو سنو میں تمہارے پاس ایسی فوج لے کر آیا ہوں کہ اسے موت اتنی ہی محبوب ہے جتنا تمہیں شراب پینا اور خنزیر کا گوشت کھانا محبوب ہے۔ ..... آخر طویل محاصرہ کے بعد لوگ صلح پر راضی ہوئے، امیر المومنین صلح کے لیے بیت المقدس روانہ ہوئے، صلح سے پہلے ایک موقع پر کہا تھا: ہم لوگ انتہائی ذلیل تھے، اللہ نے ہمیں اسلام کے

ذریعہ عزت عطا کی، اور اگر ہم اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقے سے عزت حاصل کرنا چاہیں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کردے گا۔ (الصحیحۃ للالبانی ۵۰)

یوشع علیہ السلام اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر ذرا تفصیل سے اس لیے یہاں کیا گیا کہ بیت المقدس کی سرزمین ہمیشہ کفر وشرک کی غلاظتوں سے اپنا دامن جھاڑ کر مرکز توحید بنتی رہی ہے، اور یہ مبارک سرزمین اپنی فطرت سے بغاوت نہیں کرسکتی، اس لیے یہاں کے باشندوں کو یہ سوچ لینا چاہئے کہ اس مقدس سرزمین پر امن کا واحد راستہ توحید اور ایک اللہ کی بندگی کا راستہ ہے، اور کفر وشرک سے بیزاری ہی اس کی سعادت اور خیر وبرکت سے استفادہ کا راستہ ہے، یہودیوں کے لیے بھی سلامتی کا واحد راستہ یہی ہے کہ وہ توحید کو اپنا منہج زندگی بنائیں اور شرک سے برأت کی راہ اختیار کریں، جیسا کہ تمام سابقہ انبیاء: ابراہیم، یعقوب، موسیٰ، شمعون، اور زکریا وعیسیٰ علیہم السلام کا دستور رہا ہے، یہی طریقہ اس سرزمین مقدس کے لائق ہے، قرآن مجید نے بھی اہل کتاب کو اسی کی دعوت دی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا نعبد إلا الله، ولا نشرك به شيئا، ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون﴾ (آل عمران: ۶۴) اے نبی محمد (ﷺ) کہہ دو کہ اے اہل کتاب (یہود ونصاری) آؤ ایک کلمہ پر جمع ہوجائیں جس میں ہم اور تم برابر ہیں، وہ یہ کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا معبود نہ بنائے، پس اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

فلسطینیوں کو بھی چاہئے کہ الحاد وبے دینی کی روش سے باز آکر اسی کلمہ جامعہ کو مرکز اور رہبر زندگی بنائیں اور امام الانبیاء محمد ﷺ کے سچے امتی بن کر ارض مقدس کی برکات سے مستفید ہوتے ہوئے دوسروں کو اس کے خیر کا فیض پہنچائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک متعدد انبیاء کی بے توقیری وبے حرمتی کی روش ترک کرکے یہود تمام انبیاء بشمول امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا یکساں احترام کریں، یہی توحید کا تقاضا اور آسمانی ہدایت ہے۔

☆☆☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

طلبہ کی انجمن

(قسط:۲۰)

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

دارالحدیث رحمانیہ میں دیگر مدارس عربیہ کی طرح طلبہ کی ایک انجمن تھی جس کا نام ''جمعیۃ الخطابۃ'' تھا، ابتداءً مدرسہ میں تین انجمنیں الگ الگ ناموں سے الگ الگ زبان کے طلبہ کے لیے تھیں: (۱) تہذیب الکلام، اردو خطابت کے لیے، (۲) اصلاح اللسان: بنگالی زبان والوں کے لیے، (۳) تہذیب البیان: پنجابی زبان والوں کے لیے، بعد میں (۱۹۳۱ء کے آس پاس) علاقائی ولسانی تعصب سے بچنے کے لیے صرف ایک انجمن ''تہذیب الکلام'' باقی رکھی گئی، اسی کا نام بعد میں بدل کر ''جمعیۃ الخطابۃ'' مقرر ہوا، مولانا عبدالغفار حسن رحمانی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے وقت میں کم عمر طلبہ کے لیے تہذیب الاخلاق (یا تہذیب الاطفال) کے نام سے الگ انجمن بھی بنائی تھی۔

تعلیمی مراحل کے اعتبار سے انجمن ''جمعیۃ الخطابۃ'' کو دو شعبوں میں تقسیم کیا گیا تھا، پہلے شعبہ میں جماعت اولیٰ سے رابعہ تک کے طلبہ اردو میں تقریری مشق کرتے تھے، دوسرا شعبہ خامسہ سے ثامنہ (فراغت) تک کے طلبہ کے لیے تھا جس میں صرف عربی زبان میں تقریر ہوتی تھی، مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق انجمن کا اجلاس ہر ماہ ایک بار اردو میں اور ایک بار عربی میں منعقد ہوتا۔ مولانا ۱۹۳۳ء میں فراغت حاصل کر چکے تھے، غالباً بعد میں یہ اجلاس ہفتہ واری ہونے لگا، کیونکہ ایک سوال کے جواب میں والد محترم مولانا محمد صاحب اعظمی حفظہ اللہ (جو ۴۷-۱۹۴۶ء میں وہاں متعلم تھے) نے ہفتہ وار اجلاس ہی کا ذکر کیا ہے۔

مولانا عبدالغفار حسن رحمانی فرماتے ہیں کہ: ''ہمیں عربی زبان کا بڑا شوق تھا، طلبہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ہماری باری بڑی مشکل سے آتی تھی، ہم چار ساتھیوں نے مل کر ''جمعیۃ اللغۃ العربیۃ'' کے نام سے ایک تنظیم بنائی، طلبہ اور اساتذہ جمعہ کی نماز کے بعد سیر کو نکل جاتے تو ہم مسجد میں اپنا اجلاس کرتے، ایک صدر بن جاتا اور دوسرا سکریٹری، تیسرا مقرر ہوتا اور چوتھا سامع ہو جاتا، ان مشقوں نے بعد میں بہت فائدہ دیا''۔ (۱)

ایک دوسری تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحکیم قصوری اس خصوصی جمعیت کے صدر، مولانا عبدالغفار سکریٹری، بنگال کے لقمان اور انیس الرحمٰن اورعمر آباد کے عبدالواحد مدراسی مقرر اور سامع ہوتے تھے، ایک مرتبہ اسی پرائیویٹ مشق کے دوران عربی زبان میں ایک مناظرہ ہوا تو اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ (۲)

(۱) مولانا عبدالغفار حسن: حیات وخدمات، ص: ۴۳۱-۴۳۲۔

(۲) ایضاً، ص: ۶۸۔

''انجمن کی ایک لائبریری بھی تھی، سکریٹری انجمن ہفتہ وار اجلاس کا لائحہ عمل اس طرح تیار کرتا تھا کہ ہر مقرر کے عنوان تقریر کے ساتھ اس کے مصدر (کتاب یا رسالہ) کی نشاندہی بھی ہوتی تھی، ہر ہفتہ وار اجلاس میں اول اور دوم پوزیشن والے کو دو اور ایک روپیہ انعام مقرر تھا۔

کبھی بعض مناسبات سے انجمن کا خصوصی اجلاس بھی ہوتا تھا، مثلاً عیدالاضحیٰ اور عاشورا، وغیرہ، سالانہ اختتامی انجمن امتحان سالانہ سے پہلے ہونے کے بجائے نتائج امتحان سنائے جانے کے بعد ممتحن کی زیر صدارت ہوا کرتی تھی، اور وہی پوزیشن حاصل کرنے والے مقرر کا فیصلہ کرتے تھے۔(۱)

تقریری فن میں طلبہ کی تمرین وتربیت کے لیے مدرسین کے علاوہ بعض دوسرے نامور علما وخطبا کی بھی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ ''شیخ عطاء الرحمٰن نے مولانا محمد صاحب جونا گڈھی علیہ الرحمۃ سے (جن کا مکان اس وقت دہلی میں رحمانیہ کے قریب ہی تھا) درخواست کی کہ وہ طلبہ رحمانیہ کو خطابت کا سلیقہ سکھانے کے لیے کچھ وقت دیا کریں، چنانچہ وہ جمعرات کو ایک گھنٹہ کے لیے مدرسہ رحمانیہ کی مسجد میں تشریف لاتے اور اسلوب خطابت سکھانے کے لیے اہم عنوانات پر تقریر فرماتے''۔(۲)

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا انجمن کا سالانہ اجلاس مدرسہ کے سالانہ اجلاس کے ساتھ ہوتا تھا جس میں طلبہ کی دستار بندی ہوتی اور اسناد تقسیم کی جاتی، اس موقع پر طلبہ کے مابین اردو عربی میں مسابقاتی تقریریں ہوتیں اور انھیں انعام سے نوازا جاتا، اس موقع پر دہلی اور قرب وجوار کے بڑے علماء اور عمائدین مدعو ہوا کرتے تھے، جن میں ڈاکٹر ذاکر حسین (سابق صدر جمہوریہ ہند) خواجہ عبدالحی فاروقی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) مولانا عبدالعزیز میمن (علی گڈھ) مولانا محمد اسلم جیراج پوری (انکار حدیث کے ارتکاب سے قبل) مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا محمد صاحب جونا گڈھی، وغیرہ شامل ہیں، ان میں بعض علماء کی تقریریں بھی ہوتی تھیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ کی انجمن کی طرف سے سالانہ اجلاس کے لیے شائع ہونے والے ایک اشتہار کی عبارت یہاں نقل کردی جائے۔ یہ اشتہار ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء کا ہے:(۳)

---

(۱) ماہنامہ محدث، بنارس: ستمبر-اکتوبر ۲۰۰۸، ص: ۶۵۔

(۲) مولانا عبدالغفار حسن.....، ص: ۹۹-۱۰۰۔

(۳) ایضاً، ص: ۵۶۲۔

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ میں انجمن تہذیب الکلام کا
شاندار سالانہ جلسہ

مدرسہ مذکورہ کے طلبہ کی اس انجمن کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۳؍رجب ۱۵ھ بعد نماز عشاء ساڑھے آٹھ بجے منعقد ہوگا۔ جس میں مدرسہ مذکورہ کے قابل طلبہ کی دلپذیر مؤثر تقریروں کے علاوہ فاضلِ اجل عالم باعمل مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اور علامہ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب اور مولانا محمد صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی نیز دیگر علمائے کرام بصیرت افروز روح پرور تقاریر فرمائیں گے۔

امید ہے کہ اہل دل حضرات وقت مقررہ پر مدرسہ مذکورہ واقع باڑہ ہندوراؤ میں تشریف لے آئیں گے اور شرکت جلسہ سے اپنی آنکھوں کو پرنور اور اپنے دل کو مسرور کریں گے۔

عبدالغفار حسن رحمانی ناظم انجمن تہذیب الکلام
مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

مدرسہ کا معائنہ کرنے والی شخصیتیں طلبہ کی تقریری ودعوتی صلاحیتوں کا کھل کر اعتراف کرتی تھیں اور انھیں دل سے دعائیں دیتی تھیں، مولانا عبدالقادر قصوری ۱۷ محرم ۱۳۴۴ھ کو رحمانیہ میں تشریف لائے، آپ نے اپنے تاثرات میں لکھا کہ:

''..........طلبہ نے میرے سامنے تقاریر کیں اور ادیان غیر اسلامی کے مقابلے میں دین اسلام کی صداقت کو عقلا ونقلا ثابت کیا، یقیناً طلبہ میں ملکۂ تحریر وتقریر وتبلیغ کی مدد کرنے کی سعی نہایت قابل تحسین تھی۔''(۱)

شیخ عبدالعزیز میمنی نے ۶؍رجب ۱۳۵۱ھ = ۱۹۳۲ء کو جب پہلی بار مدرسہ کا دورہ کیا تو خطبہ استقبالیہ کے جواب میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میں نے مدرسہ رحمانیہ جب سے قائم ہوا ہے اس کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن مصروفیات کی وجہ سے اس کی زیارت نہ کرسکا، اور آج اپنے مخلص دوست پروفیسر ڈاکٹر محمد کے بلانے پر یہاں حاضر ہوا ہوں، یہاں کے اساتذہ اور طلبہ کی محفل میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، ان کی اردو، عربی، پنجابی، اور بنگالی زبانوں میں في البدیہہ تقریریں سننے کا موقع ملا ہے، آج مجھے بے اختیار ابوالطیب المتنبی کا ایک شعر یاد آگیا ہے:

(۱) ایضا، ص:۹۳۔

تجمع فيه كل لسن وامة فما تفهم الحداث إلاالتراجم

ان میں ہر زبان اور ہر قوم کے لوگ جمع ہیں، مترجمین کے بغیر ان کی گفتگو نہیں سمجھی جاسکتی.....''۔(۱)

مناظرہ کی مشق:

تقریری مشق کے علاوہ طلبہ مناظرہ کی تربیت بھی مدرسہ میں حاصل کرتے تھے، اور پورے شوق اور دلچسپی سے اس میں حصہ لیتے تھے، بعض مناظروں کی روداد مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کی زبانی سنیں:

''اس وقت تقریری مقابلے بھی ہوتے تھے، اور مناظرے بھی، ایک مرتبہ تناسخ پر مناظرہ ہوا تو ہمارے مخالف گروپ والوں نے انکار کردیا کہ آپ ہمیں مسلمان ہی رہنے دیں اور ہم کو اس کے مخالف نہ بنائیں، اسی طرح مناظرہ ہوا تو میں نے عیسائیوں کی طرف سے بولنا تھا، عیسائیوں کو جب پتہ چلا کہ یہ ہماری طرف سے بولیں گے تو انہوں نے ہمیں اپنے کتب خانوں سے خود کتابیں لاکر دیں، میرے ساتھ مولانا عبدالعزیز مدراس والے تھے جب کہ میرے مقابلہ میں مولانا حاکم علی کراچی والے تھے، میں نے اپنے مخالف گروپ کو شروع میں کہا کہ سونا کو سونا ثابت کرنا مشکل نہیں ہے، اصل چیز تو تانبے کو سونا ثابت کرنا ہے اسلام تو سچا دین ہے اس کو ثابت کرنا مشکل نہیں ہے اصل بات عیسائیت کو ثابت کرنا ہے جو کہ مشکل کام ہے۔''(۲)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ایک دوسرا مناظرہ تناسخ کے موضوع پر تھا جس میں، میں نے آریہ سماجیوں کے موقف کا دفاع کیا۔ میرے مقابل میرے ایک ساتھی عبدالغفور مدراسی تھے جو ناراض ہوکر مجھے میدان میں اکیلا چھوڑ گئے۔

ایک موضوع بابت ذبیح تھا۔ میں نے ثابت کیا کہ وہ اسحٰق علیہ السلام تھے، حیاتِ مسیح کے موضوع پر مولانا عبدالسلام بستوی نے مناظرے میں حصہ لیا۔ ایک دفعہ مولانا محمد سورتی کی صدارت میں ''الأئمة من قريش'' کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ اسلم جیراج پوری ثالث تھے، انہوں نے فیصلہ دیا کہ موضوع کی مخالفت میں بولنے والوں کے دلائل زیادہ قوی ہیں، یعنی امامت کے لیے قریشی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ بات جب مولانا عبدالوہاب ملتانی تک پہنچی تو بہت خوش ہوئے اور کہا کہ: ''جاء الحق وزهق الباطل'' ہمارا دعویٰ رحمانیہ میں ثابت ہوگیا۔ دوسرے موضوعات جو مجھے یاد ہیں، مسئلہ خلق قرآن اور حجیت حدیث پر تھے، مناظرہ کی صدارت کوئی استاذ کیا کرتے تھے، مولانا عبیداللہ مبارکپوری یا مولانا نذیر احمد، اگر استاذ موجود نہ ہوتے تو اونچی جماعت کے طلبہ میں سے کسی کو صدر بنادیا جاتا۔

میں چھٹے سال میں تھا جب کلکتہ کی جمعیت تبلیغ نے تین طلبہ کو تقریر کے لیے مدعو کیا، میرے ساتھ عبدالرؤف جھنڈانگری اور عبداللطیف پنجابی بھی تھے، میری تقریر ''حقوق نسواں'' کے بارے میں تھی''۔(۳) ☆☆☆

(۱) مجلّہ صراط مستقیم، برمنگھم، جنوری ۱۹۹۹ء ص:۲۰۔ (۲) مولانا عبدالغفار حسن.....، ص:۴۳۲۔
(۳) ایضاً، ص:۶۷۔

سیرت نبویہ: ایک مطالعہ
قرآن وسنت کی روشنی میں

اسلم ابوالمعتصم مبارکپوری

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل ابراہیم اور اسماعیل (علیہما الصلاۃ والسلام) کی دعا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ربنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلو عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة، ويزكيهم، إنك أنت العزيز الحكيم﴾ (البقرۃ:۱۲۹) اے ہمارے رب! ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب وسنت سکھائے اور انھیں پاک کرے، یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

یہ ابراہیم واسماعیل (علیہما الصلاۃ والسلام) کی آخری دعا ہے: اسے اللہ وحدہ لاشریک نے شرف قبولیت بخشتے ہوئے اسماعیل (علیہ الصلاۃ والسلام) کی اولاد میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

مفسرین کہتے ہیں کہ آیت بالا میں (فیھم) ضمیر کا مرجع ''اولاد اسماعیل'' کی طرف ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیسی بن مریم) علیہ السلام) کی بشارت اور والدہ آمنہ کا خواب ہیں، عیسی (علیہ السلام) کی زبانی قرآن مجید میں ہے ﴿وإذ قال عيسى بن مريم يا بني اسرائيل إني رسول الله إليكم مصدقاً لما بين يدي من التوراة، ومبشراً برسولٍ يأتي من بعدي اسمه أحمد﴾ (الصف:٦) اور جب عیسی بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت آچکی ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں، اور ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''أنا دعوة إبراهيم وبشرىٰ عيسىٰ ورأت أمي أنه يخرج منها نور أضاء ت منها قصور الشام. (۱)

میں ابراہیم کی دعا اور عیسی (علیہما السلام) کی بشارت ہوں، میری ماں نے خواب دیکھا ہے کہ اس سے ایک نور نکلا ہے جس نے شام کے محلوں کو اجالا کر دیا ہے۔

محمد بن اسحاق نے جید سند کے ساتھ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا: اے اللہ

(۱) مسند احمد (۲۶۲/۵) بروایت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، قال الہیثمی فی مجمع الزوائد (۲۲۲/۸): رواہ أحمد، واسنادہ حسن، قلت: ولہ شواھد تقویہ، انظر: الصحیحۃ (۱۵٤٥).

کے رسول آپ اپنے بارے میں ہمیں بتائیے، آپ نے فرمایا: میں اپنے باپ ابرہیم کی دعا، اور عیسیٰ بن مریم کی بشارت ہوں اور جب میری ماں حمل سے ہوئیں تو انھوں نے خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس نے ملک شام کے محلوں کو روشن کر دیا ہے۔(۱)

ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں:

''اني عند الله مكتوب بخاتم النبيين، وإن آدم لمنجدل في طينته، وسأخبركم بأوّل ذلك: دعوة أبي ابراهيم وبشارة عيسىٰ، ورؤيا أمي التي رأت حين وضعتني: أنه خرج منها نور أضاء ت لها منه قصور الشام. (۲)

مجھے اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا گیا ہے، اس وقت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گیلے ہی تھے، میں تمہیں اس بارے میں خبر کر رہا ہوں کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا عیسی بن مریم (علیہ الصلاۃ السلام) کی بشارت، اور اپنی والدہ کا خواب ہوں ،میری ماں نے پیدائش کے وقت دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا ہے جس نے شام کے محلوں کو اجالا کر دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و پرداخت مکہ میں ایسے خانوادہ میں ہوئی جو عزت وشرافت میں ممتاز تھا، یہ عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف کا خانوادہ ہے، زمانہ جاہلیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی برائی کو انجام نہیں دیا بلکہ آپ کے ذہن مبارک میں کسی برائی اور منکر کے کرنے کا وہم وگمان بھی پیدا نہ ہوا، آپ ان تمام رذائل ومنکرات سے ہٹ کر زندگی گذاری جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں، آپ عمدہ اخلاق کے مالک تھے، شریف النفس تھے، نہ کسی بت کا سجدہ کیا اور نہ ہی بدفالی کی، نہ ہی فسق وفجور کی مجلسوں میں رہے اور نہ ہی پاگل اور دیوانوں کی صحبت اختیار کی، اور نہ شراب بھی کبھی اپنے منہ سے لگایا، نہ آستانوں کا ذبیحہ کھایا، اور نہ کبھی بتوں کے لیے منائے جانے والے تہوار اور میلہ میں شرکت کی، بلکہ ان رذائل ومنکرات سے مبرا رہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کی، شر سے محفوظ رکھا حتی کہ آپ شیطان رجیم کے شر سے بھی محفوظ رہے۔

عن أبي طالب قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما هممت بقبيح مما يهم به أهل الجاهلية إلا مرتين من الدهر، كلتاهما عصمني الله منهما.

قلت ليلة لفتى كان معي من قريش بأعلى مكة في غنم لأهلنا نرعاها: أبصرلي غنمي حتى

(۱)سيرت ابن هشام (۱٦٤/۳) وصححه الحاكم في المستدرك (٦۰۰/۲) ووافقه الذهبي، وانظر (٦۱٦/۲) أيضاً.

(۲) ابن حبان (٦۳۷۰) بروايت عرباض بن ساريه، وأخرجه أحمد في مسنده (۱۲۷/٤) وصححه الحاكم في مستدركه (٦۰۰/۲) مع أن فيه أبوبكر (ابن ابي مريم) الغساني، قال عنه الإمام الذهبي "ضعيف" وكذا قال الحافظ في التقريب (۷۹۷٤) ولكنه حديث صحيح لغيره، وله شواهد، انظر: الضعيفة (۲۰۸٥) وهداية الرواة (٥٦۹۱) ومشكاة المصابيح بتحقيق الألباني (٥۷٥۹) وانظر: صحيح السيرة لإبراهيم العلي (ص:۳۳).

أسمر هذه الليلة بمكة كما يسمر الفتيان، قال: نعم.

فخرجت، فلما جئت أدنى دار من دور مكة سمعت غناءً وصوت دفوق ومزامير، قلت: ما هذا؟

قالوا: فلان تزوج فلانة لرجل من قريش تزوج امراةً من قريش، فلهوت بذلك الغناء، وبذلك الصوت حتى غلبتني عيني، فنمت، فما أيقظني إلا مس الشمس، فرجعت إلى صاحبي، فقال: ما فعلت؟ فأخبرته ثم فعلت ليلة أخرى مثل ذلك، فخرجت فسمعت مثل ذلك، فقيل لي: مثل ما قيل لي، فسمعت كما سمعت، حتى غلبتني عيني، فما أيقظني إلا مس الشمس، ثم رجعت إلى صاحبي، فقال لي: ما فعلت؟ فقلت: ما فعلت شيئا.

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "فوالله، ما هممت بعدهما بسوء مما يعمله أهل الجاهلية حتى أكرمني الله بنبوته". (۱)

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اہل جاہلیت جن قبیح امور کا ارتکاب کیا کرتے تھے ان امور کے انجام دینے کا خیال میرے دل میں صرف دو بار پیدا ہوا، اور دونوں مرتبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے صاف بچالیا۔ ایک رات میں نے اپنے ایک قریشی نوجوان سے جو مکہ کے بالائی حصہ میں میرے ساتھ بکریاں چراتا تھا، کہا: میری بکریاں دیکھنا تاکہ میں مکہ جاکر دوسرے نوجوانوں کی طرح وہاں کی شبانہ قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کروں، اس ساتھی نے کہا: اچھا ٹھیک ہے، اس کے بعد میں وہاں سے نکلا اور مکہ سے قریب ترین ایک گھر کے پاس آیا تو میں نے دف اور بانسری اور گانے کی آواز سنی، میں نے کہا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: قریش کے ایک نوجوان کی محفل عروسی ہے جس کی وجہ سے ناچ باجے کا انتظام کیا گیا ہے میں سننے کے لیے بیٹھ گیا اور اس آواز اور گانے میں محو ہوگیا، اس آواز نے میرے دل میں ایسی ہلچل پیدا کردی کہ میرے آنکھوں میں نیند آگئی اور میں سوگیا۔

ابن اثیر کی روایت میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے میرا کان بند کردیا، پھر سورج کی تمازت سے میری آنکھ کھلی تو میں بھاگا

(۱) أخرجه أبو نعيم الدلائل (۱۲۸) والبيهقي في الدلائل (۳۳/۲) والبزار كما في الكشف (۲٤۰۳) وابن حبان (٦۲۳۹) وانظر: الإحسان (٥٦/۸، برقم ٦۲۳۹) والمطالب العالية (۱۷۸/٤برقم ٤۲٥۹) وقال البوصيري: رواه اسحاق بن راهويه بإسناد حسن، وابن حبان في صحيحه، وهكذا رواه محمد بن اسحاق في السيرة، وقال الحافظ ابن حجر: هذه الطريق حسنه جليلة، وما روي في شيئ من المسانيد الكبار إلا في مسند إسحاق، هذا، وهو حديث حسن متصل، ورجاله الحاكم في المستدرك (۲٤٥/٤) وقال: حديث صحيح على شرط مسلم ووافقه الذهبي، وانظر: صحيح السيرة النبوية (ص:٥۷).

قلت: وقال الحافظ ابن كثير: حديث غريب جداً، البداية والنهاية (۲۸۸/۲).

دوڑا اپنے ساتھی کے پاس آیا، اس نے فوراً مجھ سے سوال یا: ما فعلت ؟ رات تو نے کیا کیا؟ میں نے اس سے سارا ماجرہ بیان کر دیا۔ پھر ایسا ہی میں نے ایک دوسرے رات کیا، اور مکہ کا قصد کر کے نکلا، اس سے پہلے جو سرور وغناء اور بانسری کی آواز سنی تھی وہی آواز پھر سنی، اور سوال کرنے پر پہلے کے مانند جواب دیا گیا، میں نے آج بھی وہی سنا جو اس سے پہلے سنا تھا تا آنکہ مجھے نیند نے اپنے آغوش میں لے لیا اور میں سو گیا، اور سورج کی گرمی سے میری آنکھ کھلی، پھر میں اپنے ساتھی کے پاس آیا تو اس نے سوال کیا کہ: آج کیا ہوا؟ میں نے جواب دیا: ما فعلت شیئا. میں نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ پھر اس کے بعد کبھی غلط ارادہ نہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ذوالجلال کی قسم! میں نے اس کے بعد کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا جسے اہل جاہلیت کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز کیا۔

بکریاں چَرانا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت رہی ہے(۱) غالباً اس میں حکمت یہ ہے جس طرح بکریاں صنفِ بہائم میں سب سے کمزور و ناتواں ہیں اور ان کی بہت زیادہ پرورش اور نگہبانی کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح انسان بھی بہت ضعیف و ناتواں ہے، اپنی ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے وہ بہت زیادہ توجہ اور دیکھ ریکھ کا محتاج ہے لہذا اس کے ساتھ ہمیشہ رافت و رحمت، نرمی اور رحم دلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

انسان کی ضعفِ خلقت کے بارے میں اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿وخلق الإنسان ضعيفا﴾ (النساء:۲۸) اور انسان ضعیف و ناتواں پیدا کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ قریش میں جاہ منزلت میں سب سے عظیم تھے، حسب و نسب میں فائق تھے، طور و طریقہ سلوک و منہج میں سب سے پاکیزہ اور باعفت تھے، اپنی قوم میں عمدہ کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے، آپ سب سے زیادہ بامروت، سب سے خوش اخلاق، سب سے معزز ہمسایہ، سب سے بڑھ کر دور اندیش، فہم و فراست کے مالک، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ نرم پہلو، سب سے زیادہ پاک نفس، خیر میں سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ نیک عمل کے لیے کوشاں، سب سے بڑھ کر پابند عہد، اور سب سے بڑے امانت دار تھے، لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے، اور لڑائی جھگڑوں میں آپ کے قول کو ''قول فیصل'' مانتے تھے، آپ یتیموں اور مسکینوں کے غم خوار تھے، ان کی خبر گیری کرتے تھے، صدق و وفا میں اتنے اعلی درجہ پر فائز تھے کہ آپ کی کس نے ہمسری نہ کی، آپ کی قوم آپ کو ''امین'' کہہ کر پکارتی تھی، جب آپ چالیس سال کے ہو گئے تو نبوت کی بشارتیں آنے لگیں اور آپ کی دعوت کا آغاز غار حرا سے ہوا، نور اسلام کی کرن پھوٹی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں جس کا پہلا لفظ ''اِقرا'' ہے جو اپنی ساخت اور اشتقاق کے اعتبار سے مختصر، مگر معنی کے اعتبار سے جامع اور عظیم ہے، یہی کلمہ علم کا خزانہ اور معرفت و آگہی کا گنجینہ ہے، اس کلمہ کی ضیا پاش کرنوں سے جہالت و غباوت کی تیرگی دور ہوتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ابتداء نیند میں اچھے خواب سے ہوئی، آپ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا، پھر آپ کو تنہائی محبوب ہوگئی، چنانچہ آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر تشریف لائے بغیر مصروف عبادت رہتے، اس کے لیے آپ توشہ لے جاتے، پھر (توشہ ختم ہونے پر) حضرت خدیجہ کے پاس واپس آتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کے لیے پھر توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے، یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: پڑھو! آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ میرے قوت نچوڑ دی، پھر چھوڑ کر کہا: پڑھو! میں نے پھر کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا پھر چھوڑ کر کہا: پڑھو! میں نے پھر کہا: میں پھڑھا ہوا نہیں ہوں، اس نے تیسری بار پکڑ کر دبوچا پھر چھوڑ کر کہا: ﴿إقرا بسم ربك الذي خلق، خلق الإنسان من علق، إقرأ وربك الأكرم﴾ پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا رب نہایت کریم ہے۔

ان آیات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پلٹے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دھک دھک کر رہا تھا، خدیجہ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ خوف جاتا رہا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: یہ مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے، خدیجہ نے کہا: قطعاً نہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد خدیجہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل بن اسر بن عبدالعزی کے پاس لے گئیں، ورقہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی میں لکھنا جانتے تھے، چنانچہ عبرانی زبان میں حسب توفیق الٰہی انجیل لکھتے تھے، اس وقت بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے، ان سے خدیجہ نے کہا: بھائی جان: آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں، ورقہ نے کہا بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرما دیا، اس پر ورقہ نے آپ سے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا، کاش میں اس وقت توانا ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا، جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا، تو کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں! جب بھی کوئی آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا تم لائے ہو اس سے ضرور دشمنی کی گئی اور اگر میں نے تمہارا زمانہ پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا، اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔ (۱)

---

(۱) بخاری (۲۲۶۲) بروایت أبوهريره رضی الله عنه، ما بعث الله بنيا إلا رعى الغنم، فقال أصحابه: وأنت؟ فقال: نعم، كنت أرعاها على قراريط لأهل مكة۔ ہر نبی نے بکری چرائی ہے، صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ نے بھی؟ فرمایا: ہاں، میں چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ام القری (مکہ المکرّمہ) میں ہوئی مکہ والے حسب ونسب میں سب سے بہتر اور اشرف ہیں،عزت وشرافت میں یکتائے روزگار اور منفرد زمانہ ہیں،خانہ کعبہ کے رکھوالے اور حرم کے پاسبان ہیں،ان میں سے بہتوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام سے سرفراز کیا۔روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی،اہل حق حق کی دعوت وتبلیغ میں لگ گئے چپکے چپکے اسلام نشر واشاعت شروع کردی،اور مکہ کی گلیوں اور کوچوں میں اسلام کا بول بالا ہونے لگا،جیسے جیسے اسلام لوگوں کے دلوں میں پیوست ہوتا باطل کی کشمکش شروع ہوجاتی پھر وہی ہوا جو ابتدائے آفرینش سے حق وباطل کے درمیان ہوتا چلا آیا ہے۔

اب کفار قریش مسلمانوں کو ستانے لگے،انھیں پریشان کرنے لگے،راہ حق میں روڑے ڈالنے لگے''یریدون أن یطفئوا نور الله بأفواههم''وہ چاہتے تھے کہ نور الٰہی کو اپنے پھونکوں سے بجھادیں اور زیر زمین دفن کردیں۔

جور وستم کا سلسلہ نبوت کے چوتھے سال کے درمیان یا اخیر میں شروع ہوا تھا،اور ابتداء بہت معمولی تھا،مگر دن بدن اور ماہ بماہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کا وسط آتے آتے اپنے شباب کو پہنچ گیا،اور مسلمانوں کے لیے مکہ میں رہنا دوبھر ہوگیا،اور انھیں ان پیہم ستم رانیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لیے مجبور ہونا پڑا،انہی سنگین اور نازک حالات میں سورۃ الکہف نازل ہوئی،جسمیں یہ درس دیا گیا کہ جب دین وایمان خطرے میں ہوتو کفر وظلم کے مراکز سے ہجرت کے لیے تن بہ تقدیر نکل جانا چاہیے۔(۱)

ارشاد ہے:﴿إذ أوى الفتية إلى الكهف فقالوا ربنا آتنا من لدنك رحمة وهيء لنا من أمرنا رشداً﴾ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لے لی تو کہا:اے ہمارے رب!تو ہمیں اپنی رحمت عطا کر اور ہمیں ہمارے معاملہ میں راہ راست پر رکھ۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ﴿فتية﴾ سے استنباط کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بوڑھوں کے مقابلے میں نوجوان حق کو جلد قبول کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قریش کے اکثر بوڑھے اپنے کفر پر جمے رہے،ان میں سے بہت کم لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔(۲)

اور آگے ارشاد ہے:﴿وإذ اعتزلتموهم وما يعبدون إلا الله فاؤا إلى الكهف ينشر لكم ربكم من رحمته ويهيئ لكم من أمركم مرفقاً﴾ (الكهف:١٦)

اور جب تم نے اپنی قوم سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی ہے تو (اب بدنی طور پر بھی ان سے علاحدگی اختیار کرلو،اور) غار میں پناہ لے لو،تمہارا رب اپنی رحمت میں لے لے گا،اور تمہارے معاملے میں سہولت بہم پہنچائے گا۔

(۱) بخاری:۳،الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت کتاب التفسیر اور کتاب الرؤیا میں بھی مروی ہے۔

(۲) الرحیق المختوم (ص ۱۴۱-۱۴۲)

جب اصحاب کہف غار میں چھپ گئے تو ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور ہوئی، اور انھیں تلاش کیا گیا لیکن وہ اس طرح ناکام رہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاشی میں کفار مکہ غار ثور تک پہونچ جانے کے باوجود جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے، ناکام رہے۔

اسی سورۃ الکہف میں آگے موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ اسلوب میں بیان کیا ہے جس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے موافق نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ظاہری حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں، لہذا اس واقعہ میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم وتشدد برپا ہے اس کے نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ انہیں مجبور ومقہور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہوکر اپنی قسمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

پھر سورۃ الکہف کے بعد سورہ زمر کا نزول ہوا اور اس میں ہجرت کی طرف اشارہ کیا گیا، اور بتایا گیا کہ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے، تنگ نہیں ہے ﴿للذين أحسنوا في هذه الدنيا حسنة، وأرض الله واسعة، إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب﴾ (الزمر: ۱۰)

ترجمہ: جن لوگوں نے اسے دار فانی میں اچھائی کی، ان کے لیے اچھائی ہے، اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے، صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جاتا ہے۔

آیت ﴿أرض الله واسعة﴾ میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر اپنے وطن میں ایمان وتقوی پر عمل مشکل ہو تو وہاں رہنا پسندیدہ عمل نہیں، بلکہ وہاں سے ہجرت اختیار کرکے ایسے علاقے میں چلے جانا چاہیے جہاں انسان احکام الٰہی کے مطابق زندگی گذار سکے اور جہاں ایمان وتقوی کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو۔

ان آیات بینات میں موجود دروس وعبر سے تسلی حاصل کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر کامل ایمان وایقان رکھتے ہوئے صحابہ کرام کے پہلے گروہ نے طے شدہ پروگرام کے مطابق رجب ۵ نبوی میں حبشہ کی جانب ہجرت کی، امیر قافلہ عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ تھے، اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

یہ قافلہ رات کی ظلمت وتاریکی میں چپکے سے نکل کر اپنی نئی منزل کی جانب روانہ ہوا، راز داری کا مقصد یہ تھا کہ قریش کو اس کا علم نہ ہو سکے، مسلمانوں نے حبشہ پہنچ کر سکون واطمینان کی سانس لیا کیوں کہ اصحمہ نجاشی (شاہِ حبش) ایک عادل اور انصاف ور بادشاہ تھا، کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا، پھر بقیہ صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی راہ لی۔

یہ دوسری ہجرت پہلی ہجرت کے بالمقابل اپنے دامن میں زیادہ مشکلات لیے ہوئے تھی، کیوں کہ اب کی بار قریش پہلے سے ہی چوکنا تھے، اور ایسی کسی کوشش کا ناکام بنانے کا تہیہ کیے ہوئے تھے، لیکن مسلمان اس سے کہیں زیادہ مستعد ثابت ہوئے، اور اللہ نے ان کے لیے سفر آسان کردیا، چنانچہ وہ قریش کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی شاہ حبش کے پاس

پہنچ گئے۔(۱)

مسلمانوں کے حبشہ چلے جانے کے بعد مکہ کی فضا بدستور جور وظلم کے سیاہ بادلوں سے گمبھیر تھی، قید و بند اور ظلم وطغیان کی چکی میں پیسنے کے لیے مشرکین مکہ پر بدمستی چھائی ہوئی تھی، اگر چہ چند مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر کے اطمینان وسکون میسر آ چکا تھا مگر جو لوگ ہجرت نہ کر سکے تھے ان پر مصائب ومحن کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی خطرات کے بادل منڈلا رہے تھے، حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جا رہے تھے، قریش کی پارلیامنٹ (دارالندوہ) میں آپ صلی الہ علیہ وسلم کے قتل کی مجرمانہ سازش رچی جا چکی تھی، نمائندگانِ قریش کے ذریعہ یہ مجرمانہ اور ناپاک سازش کی قرارداد طے بھی ہو چکی تھی کہ اسی اثناء میں جبرئیل امین اپنے رب ذوالجلال کی وحی لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو قریش کی سازش سے باخبر کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے روانگی یعنی ہجرت کی اجازت دیدی ہے اور یہ کہتے ہوئے ہجرت کے وقت کی تعیین بھی فرمادی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ رات اپنے بستر پر نہ گذاریں جس پر اب تک گذارا کرتے تھے۔(۲)

اس اطلاع کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک دوپہر کے وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اجازت طلب کی، آپ کو اجازت دی گئی، آپ اندر داخل ہوئے اور ابوبکر سے فرمایا: تمہارے پاس جو لوگ موجود ہیں انھیں ہٹادو، ابوبکر نے کہا: کوئی نہیں ہے، صرف آپ کے اہل خانہ ہی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو مجھے روانگی (ہجرت) کی اجازت مل چکی ہے، ابوبکر نے کہا: اے اللہ کے رسول.... ساتھ، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے فرمایا: ہاں۔(۳)

اس کے بعد ہجرت کا پروگرام طے کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے، اور ۲۷ رصفر ۱۴ سن نبوت، مطابق ۱۲-۱۳ ستمبر ۶۲۲ عیسوی کی درمیانی شب اپنے مکان سے نکل کر رفیق غار ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے پھر سوئے مدینہ ہجرت کا رختِ سفر باندھا۔(۴)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طیبہ کی ارضِ مقدس پر قدم رنجہ ہوئے، اہل مدینہ کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے، ان کے قلوب واذہان فرحت وانبساط سے معمور ہو گئے، یہ دن ان کے لیے نہایت تابناک اور درخشاں دن تھا، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ما رأيت يوماً كان أحسن ولا أضوأ من يوم دخل علينا فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وما رأيت يوماً كان أقبح ولا أظلم من يوم مات فيه. (۵)

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اس سے بہتر اور تابناک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا، اور جس دن وفات پائی اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

(۱) تفسیر ابن کثیر (۱۵۸/۳) (۲) الرحیق المختوم (ص ۱۴۵-۱۴۶) (۳) زاد المعاد (۵۲/۲)۔
(۴) بخاري (۳۹۰۵) (۵) رحمۃ للعالمین (۹۵/۱) نیز دیکھئے: الرحیق المختوم (ص: ۲۵۷)

ہجرت کے اس پرمسرت موقع پر انصار کی بچیاں نغمے گنگنا رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں:

أشرق البدر علينا من ثنيات الوداع
ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
وجب الشكر علينا ما دعا لله داع
کیا عمدہ دین اور تعلیم ہے شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
أيها المبعوث فينا جئت بالأمر المطاع
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی بھیجنے والا ہے تیرا کبریا(۱)

مدینہ آنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی، مسجد نبوی کی تعمیر کی، مسلمانوں میں مؤاخاۃ (بھائی چارگی) باہمی اجتماع اور میل محبت کا عمل شروع کیا، اور اسلامی تعاون کا پیمان متعین کیا، اس مؤاخات اور بھائی چارگی کا مقصود۔ جیسا کہ محمد الغزالی نے لکھا ہے: ''یہ تھا کہ جاہلی عصبیتیں کافور ہو جائیں، حمیت وغیرت جو کچھ بھی ہو محض اسلام کے لیے ہو، نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات مٹ جائیں، بلندی اور پستی کا معیار تقوی کے علاوہ کچھ اور نہ ہو۔(۲)

اوس اور خزرج کی درمیان مؤاخات اور بھائی چارگی کے بے نظیر مثال پیش کرتے ہوئے قرآن مجید نے اس کی اہمیت پر بایں الفاظ روشنی ڈالی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداءً فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فأنقذكم منها كذلك يبين الله لكم آيته لعلكم تهتدون﴾ (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ: اور تم سب اللہ کی رسی (یعنی قرآن مجید)(۳) کو مضبوطی سے تھام لو اور اختلاف نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم لوگ آپس میں دشمن تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور اس کے فضل وکرم سے بھائی بھائی

(۱) أخرجه أحمد (۱۲۲/۳) والحاكم (۱۲/۳) وقال: صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه، ووافقه الذهبي، وقال الهيثمي: رواه أحمد، ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد (۵۹/٦) وانظر: هداية الرواة (۵۹۰۷) ومشكاة المصابيح بتحقيق الألباني (۵۹٦۲) وصحيح السيرة النبوية لابراهيم العلي (ص ۱۸۸)۔

(۲) اشعار کا ترجمہ علامہ منصور پوری نے کیا ہے، علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ یہ اشعار غزوہ تبوک سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر پڑھے گئے تھے، اور جو یہ کہتا ہے کہ مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلے کے موقع پر پڑھے گئے تھے، اسے وھم ہوا ہے۔ زاد المعاد (۱۰/۳) لیکن علامہ ابن القیم نے اس کے وہم ہونے کی کوئی تشفی بخش دلیل نہیں دی ہے، ان کے برخلاف علامہ منصور پوریؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ اشعار مدینہ میں داخلہ کے وقت پڑھے گئے، اور ان کے پاس اس کے ناقابل تردید دلائل بھی ہیں۔ رحمۃ للعالمین (۱۰٦/۱) نیز دیکھیں: الرحیق المختوم (ص ۲۷۱) صحیح السیرۃ النبویہ کے مصنف ابراہیم العلی نے ان اشعار کو نہ تو ہجرت کے مباحث میں ذکر کیا ہے اور نہ ہی غزوہ تبوک کے ضمن میں، دیکھیں: ہجرت کے مباحث (ص ۱۸۵-۲۰۰) غزوہ تبوک (ص ۵۸۱-٦۱۸)

(۳) فقہ السیرۃ (ص ۱۴۰) نیز دیکھئے: فتح الباری (۲۷۰/۷) بحوالا: صحیح السیرۃ النبویہ لابراہیم العلی (ص ۱۹۴)

بن گئے اور تم لوگ جہنم کی کھائی کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تمہیں بچالیا، اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اس طرح تم لوگوں سے بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت حاصل کرو۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آیت کا سیاق دلالت کرتا کہ اسی آیت میں اوس وخزرج کے ماضی کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے درمیان کیسی شدید عداوت تھی لیکن قبولِ اسلام کے بعد آپس میں بھائی بھائی بن گئے (۱) اور دنیا کی شرافت اور آخرت کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس فضیلت و بزرگی کا سبب ان کی فکر وعمل اور اخلاق کی خصوصیت کی وجہ سے ہے، بالعموم عرب دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ فہم وفراست کے مالک ہیں، اور بیان وعبارت پر قدرت کاملہ رکھتے ہیں، بیان کے اعتبار سے زبان پر کامل دسترس رکھتے ہیں، جمع وتفریق دونوں اعتبار سے معانی میں تمیز کرنا ان کا وصف ہے، بھلائی کا مادہ دوسروں کے مقابلہ میں ان میں زیادہ ہے، سخاوت، حلم وبردباری، شجاعت اور وفاداری میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں ان کے علاوہ اور بھی اخلاق کریمانہ ہیں جن میں منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں، اسلام سے پہلے طبعی طور پر ان کا جھکاؤ خیر کے طرف تھا، لیکن وہ اسے کرتے نہیں تھے تا آنکہ اللہ تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور اپنی اچھی فطرت کے باعث عظیم ہدایت کو گلے لگایا جس کی وجہ سے ان میں اوج کمال حاصل ہوا۔ (۲)

اہل عرب ان اخلاق نبیلہ اور اوصافِ حمیدہ کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، حسن معاملہ، شجاعت وقوت، جواں مردی، قیادت وسیادت، صدق وصفا، عدل ومساوات کے سامنے بونے نظر آتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ان تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع تھا جو متفرق طور پر لوگوں کے مختلف طبقات میں پائے جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصابت فکر ودور بینی، دوراندیشی اور حق پرستی کا بلند منار تھے، آپ کو حسن فراست، پختگی فکر اور وسیلہ ومقصد کی درستگی سے حظ وافر عطا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طویل خاموشی سے مسلسل غور وخوض، دائمی تفکیر اور حق کی کرید میں مدد لیتے تھے۔ (۳)

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو ایک نہایت بلند پایہ یہودی عالم تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق اور آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر جو تاثر پیش کیا، وہ آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے، انھیں جب بنوالنجار میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر لگی تو وہ آپ کی خدمت میں بعجلت تمام حاضر ہوئے، کہتے ہیں:

فلما تبينت وجهه، عرفت أن وجهه ليس بكذاب۔ (۴)

جب میں نے آپ کا چہرہ دیکھا تو جان لیا کہ آپ کا چہرہ کذاب کا چہرہ نہیں ہے۔

---

(۱) ترمذي (۳۷۹۷) حسن بشواہدہ، نیز دیکھیں: مسلم کتاب فضائل الصحابہ، بروایت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

(۲) تفسیر ابن کثیر (۱/۵۸۱) (۳) اقتضاء الصراط المستقیم (۱/۳۹۶-۳۹۷) بتصرف

(۴) الرحیق المختوم (ص ۹۵)

حارث بن عمرو سہمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ منی یا عرفات میں تھے، لوگوں نے آپ کو گھیر رکھا تھا، دیہاتی آتے اور آپ کا چہرہ دیکھتے تو کہتے: هذا وجه مبارك۔ (۱) یہ بابرکت چہرہ ہے۔

اس عظیم شہادت مین اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فطرۃً حسن صورت، جمال ہیئت، عظیم المرتبت تھے، برائیوں سے دور اور دناءت سے کنارہ کشی رہتے تھے، یہاں تک کہ بدو (دیہاتی) اپنی فراست ودانائی سے آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھ کر یہ جان لیتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروغ گو نہیں ہیں، آپ کا چہرہ بابرکت چہرہ ہے، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قول ''فعرفت أن وجهه ليس بوجه كذاب'' میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ دروغ گوئی نہ عرب کی عادت وخصلت تھی، اور نہ ان کا شیوہ، جب یہ عادت عام اہل عرب میں نہیں ہے، تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر کیوں کر پیدا ہو۔ هذا محال في القياس بديع۔

جب مہاجرین حبشہ کے خلاف عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے شاہ حبش نجاشی کے دربار میں اپنا مدعا بیان کیا تو شاہ حبش نے صحیح صورت حال کا اندازہ کرنے اور اس قضیہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے مسلمانوں کو بلایا تو مسلمانوں کے ترجمان جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا:

اے بادشاہ! ہم ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں مبتلا تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے، اور ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کھا رہا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، اس کی خاندانی برتری، سچائی، امانت واری اور پاکدامنی پہلے سے معلوم تھی..... اس نے ہمیں سچ بولنے کا حکم دیا، اور جھوٹ بولنے سے منع کیا۔ (۲)

صلح حدیبہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گرامی نامہ ہرقل شاہِ روم کے نام دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے بدست بھیجا، خط ملنے کے بعد شاہِ روم نے ابوسفیان بن حرب کو اپنے دربار میں بلایا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند سوال کیا:

فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل أن يقول ما قال؟

ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا: اس نبی نے جو بات کہی ہے کیا اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اس کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟

---

(۱) أخرجه الترمذي (۲٤۸٥) وقال: حديث صحيح، وابن ماجه (۱۳۳٤، ۳۲۵۱) وأحمد (٥/٤٥۱) والدارمي (۱٤٦۰، ۲٦۳۲) وابن السني (۲۱٥) والحاكم في المستدرك (۱۳/۳) وقال: صحيح على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، وانظر: صحيح الترمذي للألبانى (۲۱۰۹)۔

(۲) أبوداود (۱۷٤۲) وأحمد (۳/٤۸٥) وهذا حديث حسن، انظر: صحيح أبى داود للألباني (۱٥۳٤)۔

(۳) رواه أحمد (۱/۲۰۲، ٥/۲۹۰، ۲۹۲) من طريق ابن اسحاق، بسند صحيح، وقال الهيثمى في مجمع الزوائد (٦/۲٤-۲٥): رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح غير ابن اسحاق، وقد صرح بالسماع، وأخرجه ابن هشام (٥/۲۹۹) وأبونعيم في الحلية (۱/۱۱٥) وسنده صحيح، وانظر: صحيح السيرة النبوية (ص ۱۰٦)۔

قال أبوسفيان: لا۔
ابوسفیان نے جواب دیا: نہیں۔
قال: هل يغدر؟
قلت: لا، ونحن منه في مدة، لا ندري ما هو صانع فيها؟
ہرقل نے کہا: کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟
ابوسفیان نے جواب دیا: نہیں، البتہ ہم لوگ اس وقت سے اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گذار رہے ہیں، معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا؟
اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ تم اس شخص (ابوسفیان) سے کہو کہ میں نے تم سے یہ دریافت کیا تھا کہ جو بات اس نبی نے کہی ہے اسے کہنے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ تو تم نے جواب دیا کہ: نہیں۔
فقد عرفت أنه لم يكن ليدع الكذب على الناس، ثم يذهب، فيكذب على الله۔
میں (ہرقل) اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے، اور اللہ پر جھوٹ بولے۔
صحیح بخاری میں یہ واقعہ بسط وتفصیل کے ساتھ مذکور ہے ہم نے صرف اس حصہ کو نقل کیا ہے جس میں اخلاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے دروغ گوئی کی نفی ہے اور اس میں آپ کی صداقت کا پہلو جھلکتا ہے(۱)
مختصراً یہ کہ اسلام کی نشر واشاعت میں، اور لوگوں کا اسلام کی دعوت قبول کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا بہت اہم کردار رہا ہے، کیونکہ کہ جاہلی معاشرہ میں آپ کی صدق گوئی، اور امانت داری مسلّم تھی، آپ کے جامع اخلاق، عالی صفت، عمدہ خصائل ہی کی وجہ سے اللہ رب العالمین نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا، آپ طہارت وعفت، کمال خلقت، شرافت نفسی اور نجابت نسبی کی وجہ سے اس عالی منصب کے لیے سب سے موزوں تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
ان الله اصطفى كنانة من ولد إسماعيل، واصطفى قريشاً من كنانة، واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني فاشم۔(۲)
اللہ تعالیٰ نے خانوادۂ اسماعیل سے کنانہ کو چن لیا ہے، اور کنانہ سے قریش کو چن لیا ہے، اور قریش سے بنو ہاشم کو چن لیا ہے، اور بنو ہاشم سے مجھے چن لیا ہے۔

☆☆☆

(۱) صحیح بخاری (۷)
(۲) صحیح مسلم (۲۲۷۶/۱) بروایت واثلة بن واثلة بن اسقع، رضی الله عنه، نیز یہ روایت ترمذی میں (۳۶۰۵) بسند صحیح موجود ہے۔

تقلید-چند آیات کی روشنی میں

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی

تقلید قلادہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہار کے ہیں ،عرف عام میں اسے نقل اور پیروی بھی کہتے ہیں ،شریعت کی اصطلاح میں کسی فرد یا قوم کا کسی دوسرے کے قول وعمل اور فکر وطریق اور رسم کو حرز جان بنا کر اس پر عمل کرتے رہنا۔

مذہبی تاریخ کے مطالعہ سے اور قرآن کی وضاحت کے مطابق ،انسانوں کی ہلاکت و بربادی میں تقلید کا بڑا بنیادی کردار رہا ہے، ہوا یہ کہ اللہ نے کسی قوم اور ملک میں ایک رسول و نبی کو بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا مگر نبیؐ ورسولؐ کی وفات کے بعد شدہ شدہ تھوڑی بہت تبدیلی اور نت نئے رسوم ورواج جگہ پانے لگے جو رفتار زمانہ کے ساتھ زور اور مضبوطی پکڑنے لگے۔اب بعد کی جو نسلیں آئیں انہوں نے ان رسوم وروایات کو حرز جاں بنالیا، اللہ کے نیک بندے اگر ان سے باز آنے کی تاکید وتذکیر کرتے ،ان رسوم ورواج کو اگر دلائل کی روشنی میں بھی غلط بتاتے تو بھی قوم کے لوگ ان کو ترک نہیں کرتے اور دلیل یہ دیتے کہ ہم انہیں ترک نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں ہمارے آباء واجداد نے کیا ہے، کیا وہ جاہل اور بیوقوف تھے، ہم انہیں بہ ایں وجہ قطعاً نہیں ترک کر سکتے ،یوں ان کے اندر گمراہی باقی رہی اور وہ ہلاکت و بربادہوئے ،تقلید جامد کی اسی اجتماعی اور عالمگیر بربادی پر تبصرہ واشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا:

''ألم يأتكم بنؤ الذين من قبلكم قوم نوح وعاد وثمود والذين من بعدهم لا يعلمهم الا الله جاء تهم رسلهم بالبيّنٰت فردّوا أيديهم فى أفواههم وقالوا انا كفرنا بما أرسلتم به وإنا لفي شك مما تدعوننا إليه مريب، قالت رسلهم أفي الله شكّ فاطرالسمٰوٰت والأرض يدعوكم ليغفر لكم من ذنوبكم ويوخّركم إلى أجلٍ مسمّىٰ قالوا ان أنتم الا بشر مثلنا تريدون ان تصدونا عما كان يعبد اٰباؤنا فأتونا بسلطٰن مبين. (إبراهيم: ۹—۱۰) کیا تمہارے پاس تم سے پہلے کے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں؟ یعنی قوم نوح کی اور عاد ثمود کی اور ان کے بعد والوں کی جنہیں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے ،لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دبا لیے اور صاف کہہ دیا جو کچھ تمہیں دیکر بھیجا گیا ہے ہم اسکے منکر ہیں اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو ہمیں تو اسمیں بڑا بھاری شبہ ہے (ہم اس سے خاطر جمع نہیں) ان کے رسولوں نے انہیں کہا کہ کیا حق تعالیٰ کے بارے میں تمہیں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے وہ تو تمہیں اس لیے بلا رہا ہے کہ تمہارے تمام گناہ معاف فرمادے ،اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت عطا فرمائے ،انہوں نے کہا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان خداؤں کی عبادت سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے، اچھا تو ہمارے سامنے

کوئی کھلی دلیل پیش کرو،ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یہ تو سچ ہے کہ تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے،اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ ہم کوئی معجزہ تمہیں لا دکھلائیں اور ایمانداروں کو صرف اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سجھائی ہیں،واللہ جو ایذائیں تم ہم کو دو گے ہم ان پر صبر ہی کریں گے توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ اللہ ہی پر توکل کریں.....''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بحیثیت مجموعی قوم نوح اور قوم عاد وثمود اور دیگر اقوام کی ضلالت اور پھر عبرتناک ہلاکت کی ایک بنیادی وجہ یہ بتائی کہ انبیاء ورسل نے تمام تر دلائل اور تبیین کے باوجود ہدایت کی جو راہ بتائی وہ اس پر محض اس لیے نہیں چلے کہ وہ ان کے آباء کے خلاف راہ تھی نتیجۃً وہ ہلاک وبرباد ہوئے۔اللہ نے پھر ان میں سے ہر ایک کی بابت جستہ جستہ اور علیحدہ بھی اس بابت وضاحت کی،مثلاً قوم عاد کے بارے میں فرمایا''قالوا أجئتنا لنعبد الله وحده ونذر ما كان يعبد آباونا فأتنا بما تعدنا إن كنت من الصادقين''(الاعراف:۷۰)

یعنی ان لوگوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس وہ چیز لایا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور ہمارے آباء واجداد جس کی عبادت کیا کرتے تھے انہیں ترک کردیں،اگر تم سچے ہو تو وہ چیز لاؤ جس کا تم ہم سے وعدہ کر چکے ہو.....''

قوم ثمود کے بارے میں اللہ نے بتایا کہ وہ بھی آباء واجداد کی تقلید پر مصر ہو کر گمراہ ہی رہی۔اللہ نے فرمایا:''قالوا يا صالح قد كنت فينا مرجوا قبل هذا أتنهٰنا ان نعبد ما يعبد آباؤنا واننا لفي شك مما تدعونا إليه مريب(هود:٦٢)یعنی انہوں نے کہا اے صالح!اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بہت کچھ امیدیں لگائے ہوئے تھے،کیا تو ہمیں ان کی عبادتوں سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کیا کرتے چلے آئے،ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے۔

قوم شعیب میں بھی اصرار تقلید وآباء پرستی کا مزاج اور فکر وعمل موجود تھا،اللہ نے اس بابت فرمایا:

''قالوا يا شعيب أصلوٰتك تأمرك أن نترك ما يعبد آباؤنا أو أن نفعل في أموالنا ما نشاء إنك لأنت الحليم الرشيد''(هود:۸۷)یعنی اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا بھی چھوڑ دیں تو تو بڑا ہی باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔

قوم فرعون بھی تقلید پر مصر رہی اور وہ محض اس لیے کہ ایسا ان کے آباء واجداد نے کیا،اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''قالوا أجئتنا لتلفتنا عما وجدنا عليه آباء نا وتكون لكما الكبرياء في الأرض وما نحن لكما بمومنين''(یونس:۷۸)یعنی وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم

نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور تم دونوں کو دنیا میں بڑائی مل جائے اور ہم تم دونوں کو کبھی نہیں مانیں گے۔

مشرکین عرب کے بارے میں قرآن نے کہا:

''وإذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا عليها آباء نا والله أمرنا بها قل ان الله لا يأمر بالفحشاء أتقولون على الله ما لا تعلمون" (اعراف:۲۸) یعنی اور وہ لوگ جو کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا، کیا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے؟۔

مذکورہ آیات میں اقوام گذشتہ کے ضلالت پر اصرار اور شرک و بت پرستی اور غیر اللہ کی عبادت کی وجہ ان کے بقول ان کے آباواجداد ایسا کرتے تھے تو وہ ان کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں، یہاں بین السطور میں اسکی وضاحت ضروری ہے کہ عبادت کا مطلب صرف پرستش اور پوجا پاٹ نہیں ہے بلکہ قرآن کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کسی کے حکم پر چلنا اور اس کی بے چوں چرا باتوں کو مان لینا بھی عبادت ہے حتی کہ اگر آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہو (جیسا کہ شیطان پر بھیجتا ہے) اور پھر بھی پیروی اس کے طریقے کی کیے جارہا ہو تب بھی وہ اس کی عبادت کا مرتکب ہے، مولانا مودودیؒ نے اس بابت اپنی تفسیر میں بڑی وضاحت کی ہے ملاحظہ ہو مختصر تفہیم القرآن میں سورہ سباء حاشیہ ۶۳، سورۃ النساء حاشیہ ۱۴۵، سورۃ المائدہ حاشیہ ۹۱، سورۃ التوبہ حاشیہ ۳۱-۲۹، سورہ مریم حاشیہ ۲۷، سورۃ القصص حاشیہ ۸۶-۸۸) وغیرہ۔

معلوم ہوا کہ کسی کی بات پر اندھے بہرے ہو کر چلنا بھی تقلید ہے اور یہ اسلام میں ممنوع ہے، اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارے میں بتایا: ''اتخذوا أحبارهم ورهبانهم أرباباً من دون الله.....(التوبۃ:۳۱) یعنی ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا.....''۔ اس کی تفسیر میں یہ صراحت تمام حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبیؐ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ اہل کتاب نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی پھر یہ کیوں کہا گیا؟ آپؐ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن یہ بات تو ہے نا کہ ان کے علماء جس کو حلال قرار دیا اس کو انہوں نے حلال اور جس کو حرام قرار دیا اس کو حرام سمجھ لیا، یہی ان کی عبادت ہے۔

بقول حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جنہوں نے اپنے پیشواؤں کو تحلیل وتحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے نصوص قرآن وحدیث کو بھی اہمیت نہیں دیتے۔ (تقلید جامد کی نفی پر یہ آیت صریح دلیل ہے) أعاذنا الله منه.

☆☆☆

جین مت کی تعلیمات

مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی

جین مت میں اطمینان قلبی اور نروان حاصل کرنے کے دوطریقے بتائے گئے ہیں،(۱) ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے دل سے ہر قسم کی خواہشات نکال دے،(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان کے خیالات وعقائد اور علم وعمل درست ہوں اور عمل کی درستگی کے لیے، مہابیر جین نے اپنے پیروکاروں کو پانچ باتوں کا حکم دیا جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اہنسا: یعنی کسی ذی روح کو تکلیف نہ پہونچائی جائے، یہ صرف جسمانی طور پر جانداروں کو تکلیف پہونچانے پر مبنی نہیں ہے بلکہ خیالات اور گفتگو میں تکبر، نفرت، تعصب وغیرہ سب اس کے اندر داخل ہے۔

(۲) ستیہ: ہمیشہ سچائی کو اپنا شعار اور اصول بنایا جائے، اس سچ بولنے کے علاوہ، مبالغہ آرائی، عیب جوئی اور ہر نامناسب گفتگو سے پرہیز بھی شامل ہے۔

(۳) اَستیہ: چوری نہ کرنا، چوری نہ کرنے میں بلا اجازت دوسرے کی چیز نہ لینے کے علاوہ گری پڑی اشیاء، دھوکا سے حاصل کیا ہوا مال، تجارت میں کسی طرح کی بے ایمانی، یا کسی بھی طرح ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہوا مال سے پرہیز بھی شامل ہے۔

(۴) برہمچاری: ذہنی اور جسمانی طور پر اپنی عفت اور عصمت سے بھرپور پاکدامنی اختیار کرنا۔

(۵) اَپری گرہ: اپنے حواس خمسہ پر غلبہ پانا، اس لیے یہی چیزیں انسان کو شہوت پرستی اور دنیا طلبی کی جانب مائل کرتی ہیں۔

جب یہ پانچوں چیزیں کسی شخص میں پیدا ہوجائیں تو اسکے اعمال درست ہوجائیں گے اور انسان نروان کی دولت حاصل کرلے گا۔(الدیانات الوضعیہ، دراسات فی الیھودیۃ، دنیا کے بڑے مذاہب وغیرہ)

(نوٹ) چونکہ ترک دنیا اس مذہب کا بنیادی اصول تھا، اس لیے آغاز میں جین مت میں کوئی عبادت گاہ نہیں تھی، مگر بعد میں ہندو دھرم سے متاثر ہوکر جین مندر تعمیر ہوئے اور ان میں مہابیر سوامی کی مورتی رکھی جانے لگی جس سے بت پرستی کا دروازہ کھل گیا۔

جین مت کے فرقے

جین مت کے دو فرقے بہت مشہور ہیں (۱) سوئتامبر (سو: سفید، اَمبر: لباس، یعنی سفید کپڑے کا لباس پہننے والے) (۲) دِگامبر (دِگ: فضا، آسمان، اَمبر: لباس، یعنی فضا کا لباس پہننے والے)

جین مت کے ان دونوں فرقوں کی تفریق پہلی صدی عیسوی کے آخری ۸۰ء میں ہوئی، سوئتامبر فرقے کے مطابق اس کی ابتدا ''شوبھوتی'' نامی ایک سادھو سے ہوئی، جس نے ایک معمولی سی بات پر ناراض ہوکر بالکل ننگے رہنے کی بدعت

ایجاد کی، اوراس طرح دِگامبر سادھو کی جماعت قائم ہوگئی۔

دِگامبر والوں کا کہنا ہے کہ جین مت میں شروع ہی سے سادھوؤں کو ننگا رہنے کا اصول ہے جیسا کہ خود مہابیر جین کی زندگی سے ظاہر ہے، جب چوتھی صدی قبل مسیح کے آخر میں شمالی ہندوستان میں قحط سالی کے باعث اس وقت کے جین رہنما بھدرا بہو کی قیادت میں بارہ ہزار سادھو جنوبی ہندوستان کی طرف ہجرت کر گئے، تو جو جینی سادھو شمالی ہندوستان میں رہ گئے انھوں نے بہت سی بدعتیں ایجاد کرلیں، ان میں سے ایک بدعت کپڑا پہننا تھا، جب بھدرا بہو شمالی ہندوستان واپس آئے تو اس بدعت پر اعتراض کیا لیکن وہ لوگ انکی بات پر دھیان نہ دیا اور معاملہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ ۸۰ء کے قریب لوگوں نے سوئتامبر نامی فرقے کی تشکیل کی۔

دگامبر اور سوئتامبر فرقوں کی تقسیم کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ عقائد اور تعلیمات کے لحاظ سے دونوں فرقوں میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ (دنیا کے بڑے مذاہب)

جین مت کی مشہور کتابیں:

جین دھرم کی کتابیں ''آگم'' کہلاتی ہیں، یہ چھ حصوں میں تقسیم ہیں (۱) انگ (۲) ایانگ (۳) پرکیرنا (۴) چھید سوتر (۵) مول سوتر (۶) چولیکا سوتر

ان مقدس صحیفوں کے قدیمی حصوں کی زبان آردھا مگدھی پراکرت ہے، جو کہ کہا جاتا ہے کہ مہابیر جین بھی بولتے رہے ہونگے، اور جو قدیم زمانے سے جینوں کی ایک مذہبی زبان کا درجہ رکھتی ہے، لیکن ان مقدس کتابوں کے بعد کے حصوں میں مہاراشٹری ''اَپ بھرنش'' کی ملاوٹ شامل ہے۔

ان مقدس کتابوں کی تشریح اور انکی تفاسیر لکھنے کا سلسلہ قدیم زمانے سے ہی ملتا ہے، چنانچہ ''پراکرت'' اور پھر پہلی صدی عیسوی کے بعد سے سنسکرت میں مقدس کتابوں کی تشریحات اور تفاسیر پر مبنی ایک ضخیم تحریری سرمایہ جینیوں کے علمی ورثہ میں شامل ہے، مقدس کتابوں کی ان تفاسیر کے علاوہ بعد کے جین رہنماؤں اور عالموں نے آزادانہ طور سے بھی جین تعلیمات اور عقائد پر طبع زاد کتابیں تصنیف کیں جن کو بہر حال مقدس کتابوں کے اثر سے آزاد نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ وہ اپنی سند اور بنیاد کے طور پر مقدس کتابوں کی تعلیمات کو ہی استعمال کرتے تھے، پھر ان عالمانہ کتابوں کی بھی شرحوں اور حاشیوں کا ایک سلسلہ ہے جو جین مت کے مذہبی ادب کو بہت وافر اور مالا مال بنا دیتا ہے۔ (مذاہب عالم اور اسلام، دنیا کے بڑے مذاہب)

(نوٹ) دگامبر فرقے کے رشی ومنی زیادہ تر جنگلوں میں برہنہ رہتے ہیں وہ آسمان کو ہی اپنا لباس سمجھتے ہیں، کبھی کبھی یہ لوگ شہری آبادیوں میں بھی آتے ہیں، خواتین خاص طور سے ان کا درشن کرنے جاتی ہیں۔

شوئتامبر فرقے کے لوگ سفید کپڑے پہننا ضروری سمجھتے ہیں، آہنسا کے معاملہ میں بہت متشدد ہوتے ہیں، منھ پر کپڑا باندھ کر چلتے ہیں، پانی چھان کر پیتے ہیں تاکہ جاندار کی ہتیا نہ ہوجائے، اپنے انھیں سخت عقائد اور سخت اعمال کی وجہ سے یہ فرقہ ہندوستان سے باہر نہ نکل سکا۔ (مذاہب عالم اور اسلام)

☆☆☆

نکاح کے احکام ومسائل

(۲-۲)

اعداد: ابوطاہر بن عزیر الرحمٰن سلفی
استاذ جامعہ اسلامیہ سلفیہ، عبداللہ پور، صاحب گنج

ہلدی یا مہندی لگانا

ہلدی یا مہندی لگانا شوق یا زینت کے طور پر جائز نہیں ہے، خواہ شادی کا موقع ہو یا عام حالات، کیونکہ شادی کے موقع پر ایک رسم کے طور پر اس کا اہتمام کرنا ہندووانہ رسم ورواج ہے جس میں غیر مسلموں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ سنن ابی داود، کتاب الترجل، باب فی الخلوق للرجال کے اندر بسند حسن عمار بن یاسر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ''قدمت على أهلي ليلا وقد تشققت يداي، فخلقوني بزعفران، فغدوت على النبى صلى الله عليه وسلم فسلمت عليه، فلم يرد عليّ ولم يرحب بي وقال: إذهب فاغسل هذا عنك فذهبت فغسلته ثم جئت وقد بقي عليّ منه ردع وجئت فسلمت على النبى صلى الله عليه وسلم فلم يرد عليّ ولم يرحب بى وقال: إذهب فاغسل هذا عنك فذهبت فغسلته ثم جئت فسلمت عليه فرد عليّ فرحب بي وقال إن الملائكة لا تحضر جنازة الكافر بخير ولا المتضمخ بالزعفران ولا الجنب''۔ (سنن أبي داود، رقم الحدیث ۴۱۷۶) رات کو میں گھر آیا اس حال میں کہ میرا ہاتھ پھٹ گیا تھا گھر والوں نے مجھے زعفران لگا دیا، صبح کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہیں دیا، اور مجھے مرحبا بھی نہیں کہا اور فرمایا جاؤ اس کو دھو کے آؤ، وہ کہتے ہیں کہ میں گیا اور دھو کے آیا لیکن اسکی نشانی باقی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین مرتبہ دھلوایا جب نشانی ختم ہوئی تب مجھے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا اور فرمایا کہ کافر کے جنازہ میں فرشتے خیر کے ساتھ نہیں حاضر ہوتے ہیں اور زعفران لگانے والے کے پاس اور جنبی کے پاس فرشتے حاضر نہیں ہوتے ہیں۔

اس طرح انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التزعفر للرجال'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے زعفران لگانے کو حرام قرار دیا ہے۔ (سنن أبى داود كتاب الترجل، باب فى الخلوق للرجال رقم الحديث ٤١٧٩)

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے زعفران لگانا حرام ہے، شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ہلدی بھی زعفران کے حکم میں ہے، مزید یہ کہ شادی کے موقع پر عموماً بھاوج یا چچازاد بہن وغیرہ اپنے ہاتھ سے لگاتی ہے جبکہ وہ نامحرم ہے۔

اور ہلدی لگانے کے ثبوت میں صحیح بخاری کی جو حدیث پیش کی جاتی ہے یعنی عبدالرحمٰن بن عوف کے بدن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زردی دیکھی تو فرمایا کہ کیا بات ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''عون المعبود (۶/۹۸ اور فتح الباری ۹/۶۹۳-۶۹۴) میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کے کپڑے میں یا ان

کے بدن میں ان کی بیوی کے بدن سے لگ گیا تھا۔انھوں نے خود ہلدی یا زعفران نہیں لگایا تھا۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے زعفران حرام قرار دیا ہے پھر یہ عورت کا شعار ہے اور عورت کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے تو ایک صحابی کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرسکتا ہے۔

ہاں زینت کے لیے عورتوں کو مہندی یا ہلدی لگانا جائز ہے۔

نکاح پڑھانے کا طریقہ

نکاح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کا ولی لڑکی سے اس نکاح کے سلسلہ میں اس کی رضامندی معلوم کرلے جیسا کہ صحیح مسلم مروی ہے:عن ابن عباس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن فى نفسها، وإذنها صماتها، وفى رواية: الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر يستأذنها أبوها فى نفسها، وإذنها صماتها. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استئذان الثيب فى النكاح بالنطق والبكر بالسكوت) بیوہ عورت ولی کی بنسبت اپنے نفس کا زیادہ حق رکھتی ہے اور باکرہ سے اجازت لی جائے گی اور اس کی اجازت چپ رہنا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ شادی شدہ عورت بنسبت اپنے نفس کا زیادہ حق رکھتی ہے اور باکرہ سے اس کے والد اجازت لیں گے اور اس کا چپ رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ باکرہ لڑکی سے اس کا باپ یا ولی اجازت لے کر دو گواہوں کی موجودگی میں قاضی صاحب کو اس کی اجازت سے مطلع کریں گے،جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:''لا نكاح إلا بولى وشاهدي عدل''دو گواہ اور ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوگی۔(ارواء الغلیل رقم الحدیث/۱۸۶۰)اور قاضی صاحب ولی کی اجازت پا کر دو گواہوں کے سامنے خطبہ پڑھ کر نکاح پڑھادیں گے۔دلہن کی رضامندی جاننے کے لیے قاضی نکاح کا گواہوں کو لے کر خود اس کے پاس جانا شرعا ثابت نہیں ہے،اور نہ ہی نکاح کے وقت دولہا اور دلہن کو کلمہ پڑھانا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

نکاح پڑھانے کے بعد کی دعا

سنن أبی داؤد میں بسند صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شادی کرنے پر جب کس کو مبارک باد دیتے تھے تو یہ دعا کہتے۔''بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما فى خير''(كتاب النكاح باب ما يقال للمتزوج، رقم الحديث ۲۱۳۰)اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا تو ان کے کپڑے میں یا بدن میں زردی کی نشانی تھی تو آپ نے فرمایا کیا بات ہے تو انھوں نے کہا میں نے ایک انصاری عورت سے نکاح کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''بارك الله لك''اللہ تمہیں برکت دے،اسے مہر میں کیا دیئے ہو،عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ نواۃ کے وزن کے برابر سونا دیا ہوں۔(صحیح بخاری،کتاب النکاح،باب کیف یدعی للمتزوج،رقم الحدیث ۵۱۵۵)

لہذا معلوم ہوا کہ نکاح پڑھانے کے بعد مجلس کے تمام لوگ انفرادی طور پر یہ دعا پڑھ لیں گے اور قاضی صاحب بھی پڑھیں گے اور اگر بعد میں کسی سے ملاقات ہو اور اس کو اسی وقت معلوم ہو کہ ان کی شادی ہوئی ہے تو اس موقع پر اسی دعا کو پڑھا جائے گا اور

نکاح کے موقع پر خاص طور سے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی یا انفرادی طور پر دعا کرنا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

شب زفاف منانا

ولیمہ سے پہلے زفاف منانا مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا نکاح کیا یا صحابہ کرام کے جن نکاحوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں ولیمہ سے قبل شب زفاف کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ خیبر سے واپسی میں صفیہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا اور سفر ہی میں شب زفاف منایا، اس کے بعد ولیمہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا: ''من كان عنده شيء فليجئ به وبسط نطعا وفى رواية: من كان عنده فضل زاد فليجئ به'' جس کے پاس کھانا ہو وہ حاضر کرے اور جمع کردے، چنانچہ ایک چادر بچھائی گئی اور جن کے پاس جو سامان تھا کھجور، انگور اور کشمش وغیرہ سب نے اس چادر میں جمع کردیا اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولیمہ ہوگیا۔(صحيح بخارى،كتاب الصلوة،باب مايذكر فى الفخذ،رقم الحديث ۳۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولیمہ سے قبل شب زفاف منانا مستحب ہے۔ شب زفاف میں بیوی کی پیشانی پکڑ کر یہ دعا پڑھے: ''اللهم انى أسألك خيرها وخير ما جبلتها عليه وأعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه. (سنن أبى داود بسند صحيح،رقم الحديث ۲۱۶۰)

سنن ابی داود کے اندر مذکورہ حدیث کے اخیر میں ان الفاظ کی زیادتی موجود ہے کہ جب کوئی سواری خریدے یا گاڑی اور موٹر سائکل وغیرہ خریدے تو مذکورہ دعا پڑھے اس موقع پر قرآن خوانی کرنا، یا مولوی صاحب کو بلا کر اجتماعی یا انفرادی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

شب زفاف کا ایک مستحب عمل

شب زفاف میں مستحب یہ ہے کہ شوہر اور بیوی مل کر دو رکعت نفل پڑھیں، اس میں شوہر آگے کھڑا ہو اور بیوی اس کے پیچھے اور دونوں مل کر باجماعت نماز ادا کریں گے جیسا کہ مصنف ابن أبی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، وغیرہ میں ابوسعید مولی ابی اسید سے مروی ہے کہ ''قال تزوجت وأنا مملوك فدعوت نفرا من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم فيهم ابن مسعود وأبوذر وحذيفة قال وأقيمت الصلوة قال فذهب أبوذر ليتقدم، فقالوا: إليك قال أو كذلك؟ ثم سل الله من خير ما دخل عليك وتعوذ به من شره، ثم شانك وشان أهلك''.

ابو اسید کے غلام ابوسعید کہتے ہیں کہ میں نے نکاح کیا اس حال میں کہ میں غلام تھا، تو میں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو دعوت دی جن میں ابن مسعود، ابوذر اور حذیفہ رضی اللہ عنھم بھی تھے، نماز کی اقامت ہوگئی ابوذر رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھ رہے تھے، صحابہ کرام نے ان کو منع کیا تو میں آگے بڑھا اور ان کی امامت کی حالانکہ میں غلام تھا، اور ان لوگوں نے مجھے سکھلایا کہ جب تمہاری بیوی تمہارے پاس آئے تو دو رکعت نماز پڑھو گے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنی بیوی کو حکم دو کہ وہ تمہارے پیچھے دو رکعت نماز پڑھے (ابن ابی شیبۃ بسند صحیح) پھر اللہ سے اس کی بھلائی مانگو اور اس کی برائی سے پناہ مانگو پھر تم اور تمہاری بیوی خلوت میں ہو۔

ولیمہ کھلانا سنت مؤکدہ ہے

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا تھا "أولم ولو بشاة" ولیمہ کھلاؤ اگر چہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔(صحيح بخاری، كتاب مناقب الأنصار، باب إخاء النبی صلى الله عليه وسلم بين المهاجرين والأنصار)

نیز صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "بنى رسول الله صلى الله عليه وسلم بإمرأة فأرسلنى فدعوت رجالا على الطعام" رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک اہلیہ کے ساتھ شب زفاف منایا اور مجھے لوگوں کو دعوت دینے بھیجا، میں نے چند لوگوں کو بلایا۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث:۵۱۷۰)۔

ولیمہ کی دعوت میں جانا ضروری ہے

جب کوئی دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے خواہ ولیمہ کی دعوت ہو یا عام دعوت ہو، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ "فكوا العانى، وأجيبوا الداعي وعود المريض" (صحيح بخاری، كتاب النكاح، باب حق إجابة الوليمة والدعوة، رقم الحديث (٥١٧٤) غلام آزاد کرو، دعوت قبول کرو اور مریض کی عیادت کرو۔

نیز صحیح بخاری کی ایک روایت (۵۱۷۳) میں ہے "من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله" جس نے دعوت قبول نہیں کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔(الصحيح للبخاری، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله) مذکورہ تمام احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ولیمہ کھلانا تو سنت ہے لیکن ولیمہ کی دعوت یا کوئی بھی دعوت ہو اسے قبول کرنا واجب ہے اور جو شخص دعوت قبول نہیں کرے گا اور دعوت میں شریک نہیں ہوگا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔صحیح سنن ابی داود، رقم الحدیث (۲۴۶۰) میں ہے کہ "اذا دعى أحدكم إلى طعام فليجب فإن كان مفطراً فليطعم وإن كان صائماً فليصل يعنى الدعاء".

جب تم کو دعوت دی جائے اگر روزے سے نہ ہو تو چاہئے کہ کھالو اور اگر روزے سے ہو تو اس کے لیے دعا کردو۔

اس موقع پر مہمان کا میزبان کو رسم کے طور پر روپیہ پیسہ وغیرہ دینا اور رجسٹر وغیرہ میں نام اور رقم کے اندراج کا اہتمام کرنا بھی ایسا عمل ہے جس کے ثبوت کی شرع سے کوئی دلیل نہیں ملتی ہے۔

ولیمہ کھلا کر اور دعوت کھلا کر دعا لیجیے دعوت کھانے والے آپ کے لیے یہ دعا کرے: "اللهم بارك لهم فيما رزقتهم واغفر لهم وارحمهم". اے اللہ ان کی روزی میں برکت دے، ان کے گناہوں کو معاف کر اور ان پر رحم کر۔(سنن ابی داود ۳۷۲۹)

ولیمہ کی تیاری کے لیے مدد کرنا

مالدار لوگ کو چاہیے کہ غریبوں کے ولیمہ کی تیاری میں امداد کریں، جیسا کہ صحیح بخاری رقم الحدیث (۳۷۱) سے پتہ چلتا ہے یہ حدیث قبل ازیں گذر چکی ہے اس کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے "لما خطب على فاطمة رضى الله عنها قال قال رسول ﷺ: انه لابد للعرس من وليمة قال فقال سعد علىّ كبش وقال فلان علىّ كذا وكذا من ذرة وفى رواية وجمع له رهط من الأنصار أصوعا ذرة" (مسند احمد، علامہ ناصر الدین البانی نے اس کو آداب الزفاف

کے اندر صحیح قرار دیا ہے)

ترجمہ: جب علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ کو نکاح کا پیغام دیا اور نکاح ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زفاف کے لیے ولیمہ کرنا ضروری ہے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایک دنبہ دے رہا ہوں، ایک آدمی نے کہا کہ میں چند صاع مکئی دے رہا ہوں، اور انصار کی ایک جماعت نے ان کی تیاری کے لیے چند صاع مکئی جمع کیا۔

مذکورہ دونوں احادیث سے پتہ چلا کہ ولیمہ کی تیاری کے لیے امداد دی جاسکتی ہے۔

جس نکاح میں ناجائز عمل ہو اس میں شریک نہ ہونا

جس نکاح میں ناجائز عمل ہو مثلاً جہیز کا لین دین، ناچ، گانا وغیرہ وغیرہ اس میں شریک ہونا جائز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم گانا اور بانسری کی آواز سن کر کان میں انگلی رکھ لیتے تھے جیسا کہ سنن ابی داود، کتاب الأدب، باب کراهية الغناء والزمر میں بسند صحیح مذکور ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناجائز کام دیکھ کر واپس آجاتے تھے دعوت میں شریک نہیں ہوتے تھے جیسا کہ سنن ابی داود، کتاب الأطعمة، باب الرجل يدعى فيرى مكروها" کے اندر بسند حسن مروی ہے کہ "أن رجلاً أضاف على بن أبى طالب فصنع له طعاماً فقالت فاطمة لو دعونا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأكل معنا فدعوه فجاء فوضع يده على عضادتى الباب فرأى القرام قد ضرب فى ناحية البيت. فرجع فقالت فاطمة لعلى الحقه أنظر مارجعه فتبعته فقلت: يا رسول الله ما ردك فقال: أنه ليس لى أولنبى أن يدخل بيتاً مزوقاً"۔

علی ابن ابی طالب کے پاس ایک مہمان آیا تو اس کے لیے عمدہ عمدہ کھانا پکایا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے علی سے کہا کہ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتے تو کیا ہی بہتر ہوتا آپ ہمارے ساتھ کھاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی گئی آپ آئے اور دروازہ پر ہاتھ رکھے اندر دیکھے اور واپس چلے گئے فاطمہ نے کہا کہ دیکھو کیوں آپ واپس گئے علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے ملے اور کہا کہ آپ کس چیز نے واپس کیا اے اللہ کے رسول تو آپ نے کہا کہ کسی نبی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ مزین گھر میں داخل ہو یہ سن کر فاطمہ نے پردہ ہٹا دیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔

اسی طرح "صحيح بخارى كتاب النكاح باب هل يرجع اذا رأى منكراًفى الدعوة" کے اندر مذکور ہے کہ "دعا ابن عمر أبا أيوب فرأى فى البيت ستراً على الجدار، فقال ابن عمر: غلبنا عليه النساء، فقال من كنت أخشى عليه فلم أكن أخشى عليك والله لا أطعم لكم طعاماً فرجع۔

یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے (سالم کے نکاح میں) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تو ابوایوب انصاری نے گھر کے دیوار پر (سبز رنگ کے) پردہ کیا ہوا دیکھا تو اعتراض کیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عورتیں ہم پر غالب آگئیں اس پر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عورت کے غالب آنے کا خوف تو دوسرے لوگوں پر ہے آپ پر تو یہ خوف نہیں تھا اللہ کی قسم میں آپ کے گھر کھانا نہیں کھاؤں گا، یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے اور کھانا نہیں کھایا۔

☆☆☆

عظیم عربی واسلامی اسکالر
علامہ انورالجندیؒ

تحریر: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ ترجمہ وتلخیص: راشد حسن فضل حق مبارکپوری

جدید عربی زبان وادب کے حوالے سے سرزمین مصر عظیم انشاپردازوں، ممتاز ومنفرد شعراء، اخلاص ووفا کے پیکر علما ومحققین سے فیض یاب ہوئی، جنہوں نے علم وادب کی خدمت، قافلۂ بحث وتحقیق کے دوبدو چلنے، فکروفن کے چمن کی آبیاری اورعربی زبان ادب کے دفاع میں اپنی زندگی کے بیش قیمت ایام صرف کردیئے، یہیں سے جدید تاریخ کے اس زمانہ کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، جس میں نئے نئے قضایا ومسائل درپیش ہوئے، بحث ومناقشہ کی محفلیں گرم ہوئیں، اور بہت سارے امور اپنے اصل اور فطری مقام پر آئے۔

قاہرہ میں میرا قیام.....:

میں نے قاہرہ میں اپنے رفقاء کے ساتھ چار سال سے زائد ایام گذارے، زندگی کے اس لمحہ میں وہاں زبردست ثقافتی سرگرمیاں، قوی ادبی تحریک اور قابل ذکر علمی جدوجہد دیکھی، بہت سارے علما ومفکرین کا میابی کے فاصلے طے کرکے دینی وادبی بحث وتحقیق میں شہرت، مجد وفضل کی بلندی پر فائز ہوگیے، بعض ایسے تھے جو ابھی براعت، قابلیت اور مہارت کی راہ میں تھے، فکروفن، تحریر وانشاپردازی میں مسلسل جفاکشی میں لگے ہوئے تھے، اور مسابقۂ معرفت وآگہی اور علمی مقام واستناد میں جوان سے آگے تھے، یہ لوگ انہیں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔

علامہ انورجندیؒ کا تعلق دوسرے گروہ سے تھا، جو تالیف کتب اور مقالات وبحوث کی تیاری میں سرگرم رہا کرتے، معاصر علمی تحریک پر نگاہ رکھتے، جدید ادبی مکاتب فکر سے بھی آگاہ رہتے، اسلام سے معارض، گمراہ کن وتباہی خیز اصول ومبادی پر جرح ونقد کرتے رہتے، علامہ جندیؒ کی یہ سرگرمی ۶/ دہائیوں کو محیط ہے، انہوں نے اس پوری مدت میں جہاد بالقلم، دین کی حفاظت، عقیدہ کے لیے اخلاص، اسلامی سرمایے کے دفاع، اور صحیح راہ سے منحرف اور دینی واخلاقی اقدار میں کمی نکالنے والے ہر شخص پر دلیل قائم کرنے جیسے امور کا فریضہ انجام دیا۔

علامہ جندیؒ کا زمانہ.....:

علامہ الجندی کا زمانہ مغربی ومادی تہذیب وثقافت سے مرعوبیت کا زمانہ تھا، ایسی تہذیب تھی، جہاں کفر والحاد، اباحیت ولادینی کی حوصلہ افزائی، اخلاقی اقدار وفضائل سے جنگ، گمراہی وکج روی کی طرف دعوت اور مشرق واسلام سے منسوب ہر چیز پر اظہار نکیر وناپسندیدگی تھی، اور پھر اسی تہذیب کے دوش پر مشرقی مملکتوں اور اسلامی خطوں میں فکری یلغار سرگرم

ہوگئی، چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اسلام اوراس کے رسول، قرآن اوراس کی ہدایت، سنت اوراس کے مقام ومرتبہ، اخلاق اوراس کی اہمیت ومعنویت کے خلاف خطرناک وشدید حملے ہورہے تھے، ان حملوں کے پس پردہ مغربی استعماران تمام کی مدد ومعاونت کررہا تھا جو اس مقصد کی برآری میں اس کے ہم رنگ تھے، قلمیں خریدی گئیں، جمعیتیں تشکیل دی گئیں، بہت سارے فریب کش وسائل وذرائع دریافت کیے گئے، حتی کہ مشرق میں خصوصا مسلمانوں کے مابین ایک جماعت تیار کی گئی جس کا مقصد دین حنیف پر کیچڑ اچھالنا، احکام شریعت پر طعنے کسنا، مسلمانوں سے ان کے دین پر اعتماد ویقین کی قوت کو پاش پاش کرنا، اوران کی طبیعتوں میں دین کے عدم کمال وناقصیت کا شعور بیدار کرنا تھا، چنانچہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ شرپسند لہریں ہم نے مشرق ومغرب کے بیشتر ممالک میں محسوس کیں، لیکن مصر وہندوستان میں یہ اپنی آخری حدود کو پہونچی ہوئی تھی، جہاں کے معاشرے میں انگریزی استعمار نے اپنے نفوذ ورسوخ پھیلا دیئے تھے، اور تعلیمی واقتصادی امور میں غلبہ وتسلط کی کامیابی بھی حاصل کرلی تھی، یہی وجہ ہے کہ اسلام پر حملے اور عربی زبان وادب کی قدر وقیمت گھٹانے کے مقاصد اس کے لیے آسان ہوگئے، چونکہ مغرب سائنس وٹیکنالوجی میں زیادہ ترقی یافتہ تھا، اس لیے بڑی آسانی سے مشرق اس کے سامنے خندہ زن ہوگیا، اور چونکہ مسلمانوں کا اسلامی عقائد وشریعت سے رشتہ کمزور تھا اس لیے وہ شر وطغیان کی قوتوں کے سامنے ثابت قدم نہ رہ سکے اور اسلام کو ایک تہذیبی بدل کے طور پر دنیا کے سامنے پیش نہ کرسکے، جو کہ انسانیت کے لیے فلاح وبہبود اور سعادت وکامرانی کا ضامن ہو، ان پرآشوب دور ودشوار گذار حالات میں کچھ ایسے مخلص وجانباز علماء دین وعلم کے دفاع میں اٹھ کھڑے ہوئے، جو صاف گوئی، غیرت ایمانی، صدق وصفا وجدیت اور ھویٰ پرستی وعصبیت سے دوری جیسی خوبیوں سے مالا مال تھے۔

علامہ انورالجندیؒ .....:

ان مخلصین علماء میں عظیم اسلامی مفکر علامہ انوالجندی ہیں، جو اپنی عمر کی ۸۵/ بہاریں دیکھنے کے بعد ۲۸/ جنوری ۲۰۰۲ء کو اس دارفانی سے رحلت کرگیے، ان کے بارے میں یہ سچ کہا گیا ہے کہ: وہ وافی وکافی تحقیق والے، ضخیم موسوعات کے مالک، دقیق استنتاجات اور مشاہیر فکری معرکوں کے حامل شخصیت تھے'' انہوں نے مختلف وہمہ جہت موضوعات پر لکھا، اور گیرائی وگہرائی ندرت وابتکار سے انہیں خصوصیت وامتیاز دیا، معتمد وباوثوق مصادر اور اسلامی سرمایے کے ذخائر سے اپنے ذوق ومطالعہ کی روشنی میں زمانے کے مسائل بھی زیر بحث لائے، ''یہاں تک کہ وہ تحریریں'' ایسا محافظ ذخیرہ ہوگئیں جو ہمیں اور ہمارے ابناء ونسلوں کو ہر منحرف وغیر اسلامی فکر سے محفوظ رکھیں گی'' چنانچہ اس مؤلف کی عبقریت ان کی ان کتابوں میں نمایاں ہوئی جن کی تعداد مختلف موضوعات پر ۲۵۰/ تک پہونچتی ہے، جو ان کی فکری ہمہ گیری، ذہنی بالیدگی، صحیح بصیرت، قوت عزیمت اور علمی امور وفکری مسابقہ میں مقصد کی پاکیزگی کی صحیح عکاس وغماز ہیں، ذیل میں ان کی بعض تالیفات اوران کے موضوعات پر گفتگو کی جارہی ہے۔

تالیفات:

(۱)علامہ انورالجندیؒ نے معاصر عربی ادب،اس زبان کے ادباءاوراس کے اہم مسائل واہداف کی طرف عنایت وتوجہ کی،اس سلسلے میں انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں،ان میں انہوں نے اہم موضوعات اور معاصر رجحانات ونظریات پر گفتگو کی،اور ان دینی اصول ومبادی،اخلاقی قواعد واقدار کا دفاع کیا،کہ جن کے خلاف خواہش پرست حضرات آرٹ،آزادیٔ اظہاررائے اور موضوعیت واصول پسندی اور ان جیسی دیگر مغربی اصطلاحات کے نام پر برسرپیکار تھے،معاصرادب پران کی کتابوں میں سے''المعارک الادبیۃ فی مصر۱۹۱۴ء-۱۹۳۹ء ہے،اس میں انہوں نے اس دور کے اساطین ادب مثلاً مصطفیٰ صادق الرافعی،احمدشوقی،عباس العقاد،طہ حسین،حافظ ابراہیم،المازنی،عبدالرحمٰن شکری وغیرہ کے مابین ہونے والی ادبی نوک جھوک پر روشنی ڈالی ہے،تقریباًاسی موضوع پرایک کتاب''النثر العربی المعاصر فی مائۃ عام'' ہے،یہ کتاب دراصل گذشتہ صدی کے عربی نثر کے مختلف مکاتب فکراوران کی خصوصیات وامتیازات کا تحقیقی مطالعہ ہے،اسی طرح ایک کتاب''أضواءعلی الادب العربی المعاصر'' ہے،اس ادب میں''اصالۃ'' کا موضوع اٹھایا ہےاور کتاب لکھی''کیف یعود الادب العربی المعاصر إلی أصالتہ''۔

(۲)علماومحققین کے تراجم اپنے آپ میں بہت سارے علمی وفکری فوائد لیے ہوتے ہیں،اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ علماء اسلام نے''تراجم علماء'' کے حوالے سے کتابوں کی تالیف میں بہت محنتیں صرف کیں،علامہ الجندیؒ نے بھی اس میدان میں طبع آزمائی کی ہے،اور بہت سے مشاہیر واعلام کی زندگیوں پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں،اس کے ذریعہ سے ان کے کارہائے نمایاں اوران کے زمانے کوایک زندہ شکل دی ہے،اس سلسلے کی کتابیں یہ ہیں:

(۱)نوابغ الاسلام (۲)من أعلام الفکروالادب
(۳)الأعلام الألف (٤)السلطان عبد الحمید
(٥)حسن البناء الداعیۃ الامام الشھید (٦)زکی مبارک:دراسۃ تحلیلیۃ لحیاتہ وأدبہ
(۷)جورجی زیدان منشئی الھلال (۸)موسوعۃ القرن الخامس عشرالھجری

(۳)عظیم اسلامی قائدومفکرعلامہ الجندیؒ نے تہذیب وثقافت کا موضوع پس انداز نہیں کیا،وہ بھی ایک ایسے زمانے میں کہ جس میں اسلامی تہذیب وثقافت اوراس کے ثمرات وحقائق،مغربی تہذیب کی حقیقت اورانسانی معاشرہ پراس کے آثار ونتائج پر گفتگو کے لیے اصحاب خامہ وقرطاس سرگرم عمل تھے،اس قضیہ کی اہمیت مشرق ومغرب کے بڑے پیمانہ پر اتصال ورابطہ کی وجہ سے مزید دوچند ہوگئی،یہی وجہ ہے کہ اس سے متعلقہ موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں اور دونوں تہذیبوں کے مابین مقارنہ وموازنہ کیااوران پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے جن میں مغربی تہذیب نے اسلامی اصول ومبادی سے استفادہ کیا ہے،یہ کتابیں درج ذیل ہیں:

۱–نحن وحضارة الغرب

۲–الإنقطاع الحضاری

۳–حضارة الإسلام تشرق من جديد

٤–الإسلام فی حضارته ونظمه الادارية والسياسة العلمية

اوران انحرافات وبدنظمیوں کی وضاحت کی ہے جو انسانی معاشرے میں گھس آئے۔

(۴) مستشرقین ومغربی علما کے موقف کے سلسلے میں ہمیشہ سے مسلمان علما ومحققین کی توجہ وعنایت رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے مقالات وتصنیفات اس موضوع پر آج بھی کی جارہی ہیں، اور مؤلفین وعلما اس لیے بھی اس موضوع پر کام کررہے ہیں کہ قارئین ابھی بھی مزید معرفت کی رغبت ودلچسپی رکھتے ہیں۔

علامہ الجندی کے یہاں ''مستشرقین اور اسلام کے تعلق سے ان کے مواقف'' جیسے موضوعات کا کافی اہتمام تھا، اس سلسلے میں انہوں نے درج ذیل کتابیں لکھیں۔

۱–أهداف التغريب فی العالم الاسلامی

۲–التبشير الغربی

۳–علی الفکر الاسلامی أن يتحرر من سارتروفرويدودورکايم

٤–موقف الإسلام من العلم والفلسفة الغربية

٥–الإسلام وموقفه بين الفلسفات والأديان

٦–هزيمة الاستشراق فی ملتقی الاسلام

(۵) تعلیم ومنہج، علوم وفنون کی تاریخ اور تحقیق وکلام کا موضوع ہمیشہ سے علماء تربیت ومدرسین کا مرکز توجہ رہا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ الجندی جیسے اسلامی مفکر تعلیمی ومنہجی امور کا غیر معمولی اہتمام کرتے ہیں، اس طرح ان موضوعات کی طرف بھی ان کی توجہ ہوتی ہے کہ اعداء اسلام نے جن میں سے بعض علوم سے صرف نظر کی اور بعض کی تشجیع کی، اور اس کے اہداف ومبادی کی صورت کو مسخ کیا تاکہ وہ علوم نئی نسل کی تربیت اور مستقبل کی تعمیر میں اپنی تاثیر کھودے، علامہ الجندیؒ اس موضوع کی طرف غیر معمولی توجہ واہتمام کرتے تھے، کیونکہ وہ کسی بھی شخصیت اور اس کے عادات وسلوک کی تعمیر میں تعلیم وعلوم کی اہمیت وتاثیر کو وہ بخوبی سمجھتے تھے، اس سلسلے میں کتابیں یہ ہیں:

(۱) موسوعة مقدمات العلوم والمناهج

(۲) محاولة لبناء منهج اسلامی متکامل

(۳) المدرسة الاسلامية علی طريق الله ومنهج القرآن

(٤)مفاهيم النفس والإخلاق والإجتماع فى ضوء الإسلام
(٥)اعرضوا أنفسكم على موازين القرآن
(٦)بناء منهج جديد للتعليم والثقافة على قاعدة الاصالة
(٧)الطريق إلى الاصالة
(٨)حقائق مضيئة فى وجه شبهات مثارة
(٩)الفكروالثقافة المعاصره فى شمال إفريقا
(١٠)الفنون والمسرح
(١١)منهج الإسلام فى بناء العقيدة
(١٢)التربية وبناءُ الأجيال....

ساتھ ہی حدیث اور اسلامی شریعت میں اس کا مقام ومرتبہ اور عقیدہ وسلوک میں اس کا کردار واہمیت کیا ہے، اس موضوع کو بھی علامہ الجندیؒ نظر انداز نہ کر سکے، چنانچہ اس سلسلے میں ''السنۃ النبویۃ'' لکھی، اور اس سے متعلقہ دیگر مقالات بھی لکھے۔

(٦)عورت ،اس کا مقام ومرتبہ اور اس کی ذمہ داریاں'' ایک ایسا موضوع ہے جس نے قدیم زمانے سے ہی انشاپردازوں ومحققین کو مشغول رکھا، جدید زمانے میں مصر بشمول دیگر اسلامی مملکتوں میں ایک مرکز انداز اور متعین مقاصد کے تحت اس موضوع کو ابھارا گیا، چنانچہ اس سے دلچسپی علما، مصلحین اور ماہر اجتماعیات حضرات کا محبوب واہم مشغلہ بن گئی، اور مؤیدین ومعارضین کے مابین سخت قسم کا مناقشہ چلا، اختلاف ومناقشہ سے لبریز اس فضاء میں اس عظیم اسلامی اسکالر نے اسلامی مکتبات کو عورت کے موضوع پر متعدد کتابیں پیش کیں۔

(١)تحديات فى وجه المرأة المسلمة
(٢)حركة تحرير المرأة فى ميزان الإسلام

(٧)دور جدید میں عربی زبان وادب مختلف قسم کے طعنے اور شدید حملے سے دوچار ہوئی، اعداء اسلام وقرآن یہودیوں ومستشرقین کی مدد ومعاونت سے فصیح عربی زبان سے مبارزت آرائی کرتے، اور بلاغت وتعبیر، جمال واثر انگیزی میں نقص وقصور کا الزام دیتے، یہاں تک کہ شاعر حافظ ابراہیم کو ان تمام اعتراضات کے جواب میں عربی زبان پر اپنا مشہور زمانہ قصیدہ کہنا پڑا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ الجندیؒ خواہشات پرست حضرات کے اعتراضات کے جواب اور عربی زبان کے قافلۂ دفاع اور تہذیب وثقافت، سائنس وٹیکنالوجی میں زمانہ کی ترقی یا فتگی کے علی الرغم عربی زبان کی صلاحیت واستیعابیت کے ثبوت میں دلائل کی فراہمی میں وہ بہت عظیم مقام پر فائز ہیں۔

اس سلسلے کی کتابیں درج ذیل ہیں.....:

(١) المؤامرة على الفصحىٰ لغة القرآن

(٢) الطريق إلى الاصالة

(٣) مشكلات العصر وقضايا الفكر

(٤) النثر العربى المعاصر فى مائة عام

اہل علم کی نظر میں......:

کسی بھی شخصیت کے تعلق سے علماء کے اقوال آئینہ کے مانند ہوا کرتے ہیں، جن سے اس کی زندگی کے مخفی گوشے ومحاسن نمایاں ہوتے ہیں، علامہ انور الجندیؒ نے جو دینی وثقافتی کام کیا ہے، اس کے سامنے ان اقوال کی حیثیت کچھ بھی نہیں، مگر کم از کم یہ شخصیت کے مقام ومرتبہ اور اس کے اعمال کی تعیین ضرور کرتے ہیں، ان میں سے صرف بعض کا تذکرہ کیا جارہا ہے(۱)

(۱) استاذہ فایزہ انور الجندیؒ اپنے والد کے تواضع واستغناء کے بارے میں کہتی ہیں:

''علامہ مرحوم نے ''رباط یونیورسٹی مغرب'' کی جانب سے ''أعلام المغرب العربي'' کی تصنیف پر پیش کردہ ڈاکٹریٹ کی فخریہ ڈگری کو ٹھکرادیا، اسی طرح......''علی گڈھ مسلم یونیورسٹی'' نے بھی ڈاکٹریٹ کی فخریہ ڈگری پیش کی تھی، مگر آپ نے اسے بھی قبول کرنے سے معذرت کردی، اسی طرح بہت ساری یونیورسٹیوں کی جانب سے ان کے نام ہال تعمیر کروانے کی پیش کش کی گئی، مگر آپؒ نے ان سب کو تواضعاً رد کردیا، اور قبول نہ کیا''

(۲) ڈاکٹر شوقی ضیف صدر ''خالدین اکیڈمی، قاہرہ'' واستاذ ادب العربي ''جامعہ قاہرہ'' علامہ الجندیؒ کی جدوجہد اور علمی سرگرمیوں کے بارے میں کہتے ہیں:

''علامہ الجندیؒ کی طہٰ حسین کے ساتھ سخت ادبی نوک جھوک، قوی علمی معرکہ آرائی، ان پر تنقید اور دور جدید میں اسلامی وعربی سرمایے سے اصل جوہر وبہترین نمونہ نکالنے، اور اسے ہر دور ہر زمانہ کے لیے ہماری تہذب وتمدن کی شان وشوکت، عظمت، بالیدگی وتوانائی پر ایک بہترین مثال کے طور پر اسے فٹ کرنے کے بعد علامہ الجندیؒ کی قابلیت، مہارت وصلاحیت کا میں نے اندازہ کیا''۔

بلاشبہ انور الجندیؒ اپنی تصنیفات اور اس میں پیش کردہ شاندار نتائج کے حوالے سے ہماری تاریخ کی نابغۂ روزگار ہستیوں سے ذرا بھی کم نہیں ہیں، چنانچہ وہ علم ومعرفت کی ہمہ گیری وہمہ جہتی، اسلام کی نصرت وحمایت اور اس کے حتمی وفیصلہ کن مسائل میں طویل جانی، وقتی اور قلمی جہاد میں ابن تیمیہ، ابن قیم، جاحظ اور اصمعی کے مماثل ومقابل نظر آتے ہیں''

بلاشبہ علامہ الجندیؒ کی عظیم شخصیت کے اعتبار سے یہ سطریں کچھ بھی نہیں، لیکن یہ امید ضرور ہے یہ علامہ الجندیؒ کی ہمہ جہت شخصیت، ان کے علمی، فکری وادبی کارنامے اور جدید قضایا ومسائل میں ان کے اعمال کو سمجھنے کے لیے کافی ہوں گے۔

☆☆☆

راز فاش کرنا ایک مذموم عمل

سعید الرحمٰن عبد المجید

راز ایک امانت ہے اس کی حفاظت و پاسداری کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ وذمہ داری ہے اس فریضہ میں کوتاہی برتنا اور راز کو راز نہ رہنے دینا خیانت ہے، اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو امین جان کر کوئی راز کی بات بتادے تو اس مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسکے راز کی کما حقہ حفاظت کرے اسکو فاش نہ کرے اور ایسا کرنے والے کو امانت دار مانا جاتا ہے قرآن وحدیث میں امانت کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا اور خیانت کرنے سے منع کیا گیا، اللہ رب العالمین فرماتا ہے:

''یأیها الذین آمنوا لا تخونوا الله والرسول تخونوا أمٰنٰتکم وأنتم تعلمون'' (الانفال:۲۷) ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کے حقوق میں خیانت مت کرو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو اور تم جانتے ہو۔

اس آیت میں اللہ رب العالمین نے بندوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ تم میرے اور میرے رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم کے حقوق میں خیانت نہ کرو اور تمہارے پاس جو چیز بطور امانت ہے چاہے وہ جس کیفیت کی ہو اس میں خیانت نہ کرو ایک مسلمان کا راز دوسرے مسلمان کے لیے قابل حفاظت چیز ہے اس کی حفاظت نہ کرنا خیانت کا درجہ رکھتا ہے اور جو شخص امانت میں خیانت کرے اس کے پاس ایمان نہیں اور جو عہد و پیمان کا پاس ولحاظ نہ رکھے اس کے پاس دین نام کی کوئی چیز نہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اکثر خطبوں میں یہ ضرور ارشاد فرماتے تھے:

"لا ایمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له" (مسند احمد ۳/۱۳۵، قال الالبانی رحمہ اللہ ھذا حدیث جید)

(ترجمہ) اس کا ایمان نہیں جس کے اندر امانت کی پاسداری نہیں اور اس کا دین نہیں جس کے اندر عہد کی پابندی کا احساس نہیں۔

راز ایک امانت ہے امانت کی حفاظت و پاسداری اللہ رب العالمین کے نزدیک محبوب خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے اور اس وصف سے متصف حضرات اللہ کی نگاہ میں بہت محبوب ہیں اللہ کی مدد و نصرت ان کو شامل ہوتی ہے اور خائن شخص اللہ کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نصرت وحمایت ترک کردیتا ہے، ''ان الله یدافع عن الذین آمنوا ان الله لایحب کل خوان کفور'' (الحج/۳۸) (ترجمہ) سن رکھو! یقیناً سچے مومنو کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹادیتا ہے کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

امانت کی حفاظت کرنے والوں کو اللہ رب العالمین پسند فرماتا ہے اور عسر و یسر میں ان کا حامی و ناصر ہوتا ہے، اور

خیانت کرنے والوں کو اپنی رحمت سے دور رکھتا ہے۔

ایک دوسری آیت کے اندر اللہ رب العالمین نے خائنوں کا حامی ومددگار بننے سے روکا ہے''انا أنزلنا إليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس لما أراك الله ولا تكن للخائنين خصيما''(النساء/۱۰۵)(ترجمہ)یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس چیز کی مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔

اللہ رب العالمین نے اپنے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کے اندر خائنوں کا حامی ومددگار بننے سے روکا ہے یہ خطاب گرچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن جملہ مسلمانوں کو شامل ہے کہ وہ لوگ خائنوں کے حامی ومددگار بننے سے باز رہیں۔

راز کا افشاء کرنا یہ ہتک عزت کا باعث ہے اگر راز برا ہو تو اس کا فاش ہو جانا ایک انسان کی ذلت ورسوائی کا سبب بن جاتا ہے ایک مسلم بھائی کا دوسرے مسلمان کے تئیں یہ حق بنتا ہے کہ وہ ہر طرح سے اس کے عزت وناموس کی حفاظت کرے ،راز کو افشا کرنے والے لوگ محافظ عزت کیسے ہو سکتے ہیں،اور جو لوگ دوسروں کی عزت کا خیال نہیں کرتے اللہ ان کی عزت کا خیال نہیں کرتا ہے،اور جو لوگوں کی عزت کا محافظ ہے اللہ اس کی عزت کو ہر طرح سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ قیامت کے دن اس کے عیوب کی ستر پوشی فرمائے گا۔

راز افشاء کرنے والوں اور دوسروں کے عیوب ونقائص کو دنیا کے سامنے آشکارا کرنے والوں کو اللہ کی وعید سے خوف کھانا چاہیے اور ان آیات قرآنیہ کی روشنی میں غور کرنا چاہیے کہ وہ کس بری صفت سے متصف ہو رہے ہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زوجین کے باہمی راز کی حفاظت اور اس کے پاس ولحاظ کو قیامت کے دن سب سے بڑی امانت قرار دیا ہے''إن من أعظم الأمانة عند الله يوم القيامة الرجل يفضي إلىٰ امراته وتفضى إليه ثم ينشر سررها"وفي رواية"من أشرار الناس''(مسلم/۱۴۳۷)(ترجمہ)بیشک قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بڑی امانت ہے کہ میاں بیوی رازدارانہ خلوت اختیار کریں پھر اس کی باتوں کو راز نہ رہنے دیا جائے،ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ جو ایسا کرتا ہے سب سے برے لوگوں میں سے ہے۔

راز کی حفاظت ہر انسان کا فریضہ ہے،حضرت انس بن مالک کی حدیث سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔''أنس ابن مالك يقول أسر الى النبى صلى الله عليه وسلم سراً فما أخبرت به أحداً بعده ولقد سألتنى أم سليم فما أخبرتها به''(بخاری)(ترجمہ)صحابی رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کی ایک بات بتائی تو میں نے اس کو کسی سے نہیں بتایا اور مجھ سے میری والدہ ام سلیم صحابیہ نے اس کے

بارے میں پوچھا تو میں نے ان کو بھی نہیں بتایا۔

راز فاش سے متعلق سلف صالحین کے اقوال:

سلف صالحین بھی اس مذموم خصلت کو بہت ناپسند کرتے تھے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔

(۱) حضرت عباس بن عبدالمطلب (صحابی رسول) اپنے بیٹے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو پانچ نصیحتیں فرمائی، جن میں ایک نصیحت یہ تھی ''لا تفشین سراً'' تم ہرگز ہرگز راز افشاء نہ کرو۔

(۲) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''إن من الخيانة أن تحدث سر أخيك'' (احیاء علوم الدین ۱۳۲/۳) نے شک اپنے بھائی کے راز کو بیان کر دینا خیانت ہے۔

اور مزید فرمایا ہے کہ: ''لا تستقيم أمانة رجل حتى يستقيم لسانه ولا يستقيم لسانه حتى يستقيم قلبه'' (الآداب الشرعیۃ لابن.... ۴۵۵/۱) آدمی کی امانت درست نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ اسکی زبان درست ہوجائے، اور آدمی کی زبان درست نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ اسکا دل درست ہوجائے۔

زبان سے آدمی راز کو بیان کرتا ہے جب تک وہ اپنی زبان کو قابو میں نہیں رکھے گا تو راز جو ایک امانت ہے وہ کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أفشىٰ بعضهم سراً له إلىٰ أخيه ثم قال له هل حفظت قال بل نسيت'' (احیاء علوم الدین ۱۹۵/۲) لوگوں میں سے بعض نے اپنے راز کو اپنے ایک بھائی کو بتایا پھر اس سے کہا کہ تم نے یاد کرلیا؟ تو اس نے کہا نہیں بلکہ میں اس کو بھول گیا۔

مذکورہ بالا ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ راز ایک امانت ہے اور اسکا افشا کرنا خیانت ہے اور امانت میں خیانت کرنا منافق کے خصائل میں سے ایک خصلت ہے (کما رواہ البخاری)

راز فاش کرنے کے نقصانات

راز فاش کرنا اپنے مسلم بھائی کو دھوکہ دینا ہے، یہ تنگ ظرفی کی علامت اور ذلت ورسوائی کا باعث ہے راز فاش کرنے والا اللہ کے نزدیک سب سے برے لوگوں میں سے ہے یہ صفت جہلاء کی ہے عقلمندوں کی صفت نہیں ہے، راز فاش کرنے والا اپنے مسلم بھائی کی عزت وناموس سے کھلواڑ کرتا ہے۔

اللہ رب العالمین تمام مسلمانوں کو اس مذموم خصلت سے محفوظ رکھے اور امانت ودیانت داری کے ساتھ اپنی زندگی گذارنے کی توفیق دے، آمین۔

☆☆☆

قرآن مجید پر عیسائی مبلغین کے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب

برہان التفاسیر لإصلاح سلطان التفاسیر

تالیف: شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری

برصغیر ہند میں گذشتہ صدی میں جن شخصیتوں نے ہمہ جہت اسلامی خدمات انجام دیں ان میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ (۱۸۶۸-۱۹۴۸ء) کا نام سرفہرست ہے، مولانا نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تقریر ومناظرہ، صحافت، انجمنوں اور تنظیموں کی تشکیل اور دیگر رائج الوقت وسائل واسالیب کے ذریعہ اسلام اور اسلامی شریعت کی ایسی خدمت کی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، یہ محض عقیدت یا جذبات کی بات نہیں ہے بلکہ مولانا کی حیات وخدمات پر نظر رکھنے والے اور ان کے چھوڑے ہوئے علمی ورثہ کی جانکاری رکھنے والے اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔

آپ نے جس عہد میں آنکھیں کھولیں وہ مغربی استعمار کا عہد تھا، مسلمانوں کی نہ صرف سیاسی اور حکومتی زوال وانحطاط کا زمانہ تھا بلکہ دینی ومذہبی اعتبار سے بھی مسلمان خطرات سے گھرے ہوئے تھے، عیسائیوں، آریوں، قادیانیوں، نیچریوں، حدیث کے انکاریوں اور دیگر تحریکات باطلہ سے وابستہ اشخاص نے اسلام اور مسلمانوں کو ہدف تنقید بنا رکھا تھا، ایسے نازک وقت میں اسلام کے سپاہی بن کر مولانا میدان میں اترے، اور جملہ اعدائے اسلام کے لیے شمشیر بے نیام ثابت ہوئے، اللہ تعالی نے آپ کو کتاب وسنت کے ٹھوس علم کے ساتھ حکمت وبصیرت اور ایسی فراست سے نوازا تھا کہ مخالفین اسلام وسنت کے مشکل سے مشکل سوالات واعتراضات کا فی الفور معقول ومؤثر جواب دیتے کہ مخالف بغلیں جھانکنے لگتا۔

زیر تعارف کتاب مولانا کے دفاع عن القرآن کے سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو اصل میں مولانا کے مجلّہ اہل حدیث امرتسر میں شائع (۸۱) قسطوں پر مشتمل تحریر ہے، یہ تحریر سلطان محمد (پال) عیسائی پادری کی تحریر کا جواب ہے، سلطان صاحب نے اسلام ترک کر کے عیسائیت کے دامن میں پناہ لی تھی، انہوں نے حالت اسلام میں عربی اسلامی تعلیم حاصل کی تھی اور اسلامی مآخذ پر ان کی نظر تھی، اس علم دانی کے زعم میں انہوں نے قرآن کی ایک تفسیر بنام ''سلطان التفاسیر'' لکھنے کا پروگرام بنایا، ایک مرتد عن الاسلام قرآن کی تفسیر کیوں کر لکھے گا، قرآن کی خدمت اور قرآنی تعلیمات سے لوگوں کو واقف کرانے کے لیے، یا اس کی آڑ میں قرآن کو نشانہ بنانے اور اس میں شکوک وشبہات تلاش کرنے کے لیے، اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ جنہوں نے ہر باطل کی تردید اور بیخ کنی گویا اپنا مشن بنالیا تھا وہ کلام الٰہی پر ہونے والے اس منصوبہ بند حملے پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے، فورا انہوں نے اس نام نہاد تفسیر کے تعاقب کا پروگرام بنالیا، آپ ۶ رمئی ۱۹۳۲ء کے ''اہل حدیث'' کے شمارے میں لکھتے ہیں:

''سلطان التفاسیر بصورت رسالہ المائدہ جنوری ۳۲ء سے جاری ہے، ہمارے دل میں اسی وقت سے جواب دینے کا القا ہوا تھا، لیکن اتنے دنوں تک ہم نے انتظار کیا کہ رسالہ مذکورہ کے چند نمبر نکل لیں تو توجہ کی جاوے گی، چنانچہ آج سلسلہ ہذا کا نمبر اول ہے، آئندہ حسب تجویز ایک صفحہ اخبار (اہل حدیث) اس سلسلہ کے لیے وقف کیا جائے گا، اس کا نام یہی ہوگا: ''برھان التفاسیر برائے اصلاح

سلطان التفاسیر''۔(ص:۴)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''چونکہ پادری صاحب نے ایک ماہوار عیسائی رسالہ ''المائدہ'' کی معرفت تھوڑا تھوڑا حصہ تفسیر کا شائع کرنا شروع کیا تھا جس کی وجہ سے خیال ہوا کہ اگر اس تفسیر کے خاتمہ تک جنبش قلم کو بند رکھا جائے تو اتنے عرصہ تک زندگی کا کیا اعتبار، نیز اتنا بڑا کام دفعتاً کرنا محال ہوگا، اس لیے ۶ رمئی ۳۲ء سے ہم نے پادری صاحب کے پیچھے اشہب قلم دوڑا دیا، مسلم قلم اتنے زور سے دوڑا کہ پادری صاحب کے برابر جاملا، یہاں تک کہ پادری صاحب نے کسی خاص مانع کی وجہ سے ''المائدہ'' میں مضمون شائع کرنا ترک کر کے اعلان کر دیا کہ .....''۔(برہان، ص:۲۹۰)

پادری صاحب کی تفسیر کا سلسلہ بیچ میں رک گیا تو اس اثناء میں مولانا نے کچھ جدید فرقوں کی تفسیروں کی طرف توجہ فرمائی اور ان کا جائزہ لیتے رہے تا آنکہ سلطان التفاسیر کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا، بیچ میں اس تفسیر کا سلسلہ جب بھی موقوف ہوتا مولانا بے چینی سے اس کے دوبارہ جاری ہونے کا انتظار کرتے اور جاری ہونے پر فوراً اس کا محاسبہ شروع کر دیتے تا آنکہ اس سلسلہ کی (۸۱) قسطیں اخبار اہل حدیث میں شائع ہوئیں، جس کے آخر میں مولانا لکھتے ہیں:

''(نوٹ) اطلاع: چونکہ پادری سلطان محمد خاں صاحب کی طرف سے تفسیر القرآن کا مضمون تین مہینوں سے نہیں آیا اس لیے سر دست دونوں صفحات (جو برہان التفاسیر کے لیے وقف تھے) اکمل البیان کو دیے جاتے ہیں تا کہ یہ جلد ختم ہو''۔(اہل حدیث امرتسر: ۲۷ رصفر ۱۳۵۴ھ مطابق ۳۱ رمئی ۱۹۳۵ء، ص:۱۱)[کتاب ہذا کا آخری صفحہ]

اور لگتا ہے کہ سلطان صاحب یہ سلسلہ اس کے بعد جاری نہ رکھ سکے، اس لیے برہان التفاسیر بھی اسی قسط پر موقوف ہوگئی، اتنے حصے میں مولانا نے قرآن کے پہلے پارے کی مکمل تفسیر پیش کی اور سلطان التفاسیر کا جائزہ لیا۔

اس تفسیر میں مولانا کا طرز یہ رہا کہ پہلے ایک رکوع کا ترجمہ مع مختصر توضیح تحریر فرماتے، اس کے بعد کبھی کبھی حل لغات اور نحوی ترکیب بھی رقم فرماتے، بعد ازاں سلطان التفاسیر اور دیگر کتابوں میں اس رکوع کے ترجمہ وتفسیر سے متعلق جو تسامحات واغلاط ہوتے ان کی اصلاح فرماتے، کبھی کبھی مولانا کا ترجمہ وتوضیح ہی اعتراضات کے جواب کو متضمن ہوتا، اس لیے اسی پر اکتفا کرتے، کتاب کے قارئین دیکھیں گے کہ مولانا نے جواب نویسی میں تفسیر، اصول تفسیر، علوم القرآن، حدیث، اصول حدیث، ادب، بلاغت، نحو وصرف اور دیگر فنون کی کتابوں سے جا بجا استناد کیا ہے، اس کے علاوہ مختلف فرق ضالہ جدیدہ کے لٹریچر اور مروجہ توریت وانجیل کے مشتملات پر مولانا کی گہری نظر کا بھی یہ کتاب منہ بولتا ثبوت ہے، اردو کے ساتھ عربی وفارسی اشعار وامثال کے برمحل استعمال پر بھی مولانا کو خوب قدرت حاصل ہے، چونکہ مقابل میں ایک عیسائی مصنف ہے اور اس نے جا بجا انجیل کو درست وبرتر اور قرآن کو غلط اور کم تر ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی ہے اس لیے مولانا معترض کے اعتراض کے قرآن پر عدم انطباق کو ثابت کرتے ہوئے اسے انجیل پر منطبق کر دیتے ہیں اور انجیل کے مختلف مقامات کی عبارتیں نقل کر کے وہی اعتراض اس پر چسپاں کرتے ہوئے گنگناتے ہیں کہ: ''ایں گنایست کہ در شہر شما خاص کنند''۔

ابطال وتردید کے موضوع میں عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جواب دہندہ سے متانت وسنجیدگی اور وقار کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور وہ معترض کے لب ولہجے اور تیز وتند حملے سے مشتعل ہو کر بسا اوقات غیر مہذب اور ناشائستہ الفاظ واسالیب کا استعمال شروع کر دیتا ہے، اور کبھی کبھی تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش میں حد درجہ سطحیت پر اتر جاتا ہے، لیکن مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی طویل دفاعی خدمات میں ایسی کوئی چیز

نہیں نظر آتی، چاہے ان کی تحریر ہو یا تقریر، مناظرہ ہو یا مباحثہ، اسلامی فرقوں سے ہو یا اعدائے اسلام سے، ہر جگہ وہ پوری متانت، وقار اور شائستگی کا پیکر نظر آتے ہیں، فریق مخالف کی سخت سے سخت گفتگو سننے کا حوصلہ اور برداشت کرنے کا سلیقہ آپ کے خصوصی اوصاف میں سے ہے۔

زیر تعارف کتاب کے صفحہ (۲۴۸) پر مولانا لکھتے ہیں:

''ناظرین! پادری صاحب کو سوامی دیانند کی طرح قرآن مجید پر نکتہ چینی کا شوق نہیں شغف ہے، اس لیے آپ بے دردی سے اعتراض کر دیتے ہیں، ہم بھی ان کو اس میں معذور جانتے ہیں، بلکہ درخواست کرتے ہیں ؎

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے''

ایک مقام پر پادری صاحب کے کچھ اعتراضات اور اغلاط کی اصلاح کے بعد فرماتے ہیں:

''نوٹ: ہم پادری صاحب کی طرح زود رنج نہیں کہ مخاطب کی ذرا سی لغزش پر آپے سے باہر ہو جائیں اور کہہ دیں کہ ہمارے قابل التفات نہیں (النجات: ۱۵/اکتوبر ۳۴ء، ص:۲) نہ ہم قادیانیوں کی طرح ہیں کہ پادری سلطان محمد صاحب کی غلطیوں پر ان کو مرتد، جاہل جیسے مکروہ الفاظ سے یاد کریں، (الفضل: ۱۵/اگست ۳۱ء) بلکہ ہمارا وہی اصول ہے جو ہر اہل علم کا ہے: لكل جواد كبوة، ولكل عالم هفوة (ہر گھوڑا گرتا ہے اور ہر عالم بھولتا ہے)۔(ص:۳۶۷)

مولانا کی یہ روش برہان التفاسیر کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ آپ کی تمام تحریریں اسی وقار و شائستگی اور اعتدال و توازن کا آئینہ ہیں، افسوس کہ آج یہ روش نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، بحث و مباحثہ تحریری ہو یا تقریری، اپنوں سے ہو یا غیروں سے، ارباب زبان و قلم بڑی جلدی جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور غیر شریفانہ لب ولہجہ اختیار کر بیٹھتے ہیں، نوجوان نسل کی رگ حمیت خاص طور سے ذرا جلدی پھڑکتی ہے اور اگر خاطر خواہ تربیت سے آراستہ نہ ہو تو اشتعال میں آکر اس سے گفتار و کردار کے ایسے نمونے سامنے آتے ہیں جن میں اسلام اور اہل اسلام کی بدنامی اور پشیمانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، امید کہ علامہ امرتسری کی اس کتاب اور ان کی دیگر تحریروں سے نئی نسل اس باب میں بھی استفادہ کرے گی۔

واضح رہے کہ مولانا امرتسری کی یہ عظیم الشان تصنیف جو آپ کے ہفتہ وار رسالہ اہل حدیث امرتسر میں تقریبا تین سال کے وقفے میں اکیاسی قسطوں میں شائع ہوئی، اب تک کتابی شکل میں منظر عام پر نہیں آسکی تھی، اللہ تعالی جزائے خیر دے لجنۃ القارۃ الہندیۃ، احیاء التراث الاسلامی، کویت کے ذمہ داران کو بالخصوص شیخ عارف جاوید محمدی صاحب کو جنہوں نے اس جانب توجہ فرمائی، ان حضرات کے مشورے سے محترم مولانا عبداللہ سعود صاحب سلفی، ناظم اعلی جامعہ سلفیہ، بنارس، الہند نے مولانا محمد مستقیم صاحب سلفی، استاذ جامعہ سلفیہ و مؤلف کتاب ''جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات'' کو یہ کام سپرد کیا، موصوف نے ''اہل حدیث'' کی پرانی فائلوں سے ان تمام قسطوں کو اکٹھا کیا، جو تصفیف و تصحیح اور طباعت کے طویل مراحل سے گزر کر کتابی شکل میں قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے اور کتب خانوں کی زینت بن رہی ہے۔

یہ کتاب جمعیۃ المناھل الخیریۃ، گوجرانوالہ، پاکستان نے شائع کیا ہے، سن طباعت اشاعت اول جون ۲۰۱۱ء ہے، صفحات کی مجموعی تعداد (۴۲۸) ہے۔

اللہ رب العزت مؤلف کی اس خدمت کو شرف قبول بخشے اور اسے ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، اور کتاب کی اشاعت کے محرک، اس کے مرتب، مصحح، طابع و ناشر اور مستفیدین کو اجر جزیل سے نوازے۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

اسعد اعظمی

جامعہ سلفیہ، بنارس

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

منہج سلف مملکت سعودیہ کے لیے باعث عزوشرف: امیر نایف

سعودی عرب کے ولی عہد (کراؤن پرنس) اور نائب وزیر اعظم ووزیر داخلہ امیر نایف بن عبدالعزیز آل سعود حفظہ اللہ نے ایک سیمینار میں خطاب کے دوران واضح طور پر کہا کہ ان کا ملک منہج سلف ہی کی بنیاد پر رفعت وعظمت کے اعلی مقام پر فائز ہے، اور مملکت کا وجود اور اس کا بقا واستحکام اسی منہج ومسلک پر قائم وکاربند رہنے میں ہے، کیونکہ سلفیت ہی حقیقی اسلامی شریعت سے عبارت ہے، فی الجملہ یہ قدیم صالح اور جدید نافع کا مجموعہ ہے۔ لہذا میں ان لوگوں کو متنبہ اور خبردار کرنا چاہتا ہوں جو سلفیت کو جہالت سے تعبیر کرتے ہیں اور علماء ودعاۃ حضرات سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس سے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں وبدگمانیوں کا ازالہ فرمائیں، بالخصوص جامعۃ الامام اس سلسلے میں بہتر رول ادا کرسکتا ہے۔

علاوہ ازیں سیمینار میں موجود سعودی عرب کے چیف جسٹس علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن آل الشیخ حفظہ اللہ نے بھی زوردار الفاظ میں سلفیت کو ربانی طریقۂ کار بتاتے ہوئے اسے اعتدال ومیانہ روی اور توحید کا پیکر اور بدعات وخرافات کا منکر کہا، نیز باطل افکار ونظریات کے حاملین کو بھی متنبہ اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ مملکت سعودیہ عربیہ کا قیام سوسال قبل اسی منہج حقہ پر عمل میں آیا تھا۔ (اخبار العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، ۲۰۱۲/۲/۲ء)

حرم مکی میں پندرہ لاکھ نمازی بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں

حرم مکی کی توسیع کا آغاز خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا، اور پھر اس کے بعد مسجد حرام کی توسیع کا سلسلہ جاری ہے، دور جدید میں حرم شریف کی توسیع کا سب سے بڑا کارنامہ سعودی مملکت کے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ، ان کے فرزندان اور سابق شاہ فیصل اور شاہ خالد نے انجام دیا، سعودی کے پیش رو حکمراں شاہ فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں حرم مکی کی عظیم الشان توسیع کی وجہ سے مسجد حرام کے اندر چھ لاکھ نمازیوں کے لیے کشادہ ہوگئی، مگر موجودہ سعودی فرماں روا اور خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کا حالیہ منصوبہ جو بروئے عمل ہے اس سے مسجد حرام میں مزید چار گنا اضافہ ہوجائے گا۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ، ۲۰۱۲/۲/۱۶ء)

''ناسا'' کی خلائی تحقیقاتی ٹیم میں سعودی خاتون کی شمولیت

امریکہ کے خلائی تحقیقاتی ادارہ ناسا نے پہلی مرتبہ سعودی عرب کی ایک خاتون خلائی سائنس داں ڈاکٹر ماجدہ ابوراس کو اپنی ٹیم میں شامل کیا ہے، وہ 'ناسا' کے زیر اہتمام ادارہ ''گلف سائنس وٹیکنالوجی اینڈ ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن'' میں خلائی تحقیقاتی ریسرچ کو عملی شکل دینے اور پروگرام ڈیولپمنٹ کے شعبہ میں کام کریں گی۔ واضح رہے کہ محترمہ ڈاکٹر ماجدہ ابوراس شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ کے شعبۂ بایوٹیکنالوجی میں لیکچرر ہیں۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۲۰۱۲/۲/۲۶ء)

امریکہ کے مشہور فلم ساز اسٹون نے اسلام قبول کیا

امریکہ کے ۲۷/سالہ مشہور ومعروف فلمی ستارے اور فلم ساز سین اسٹون نے مذہب اسلام قبول کرنے کا اعلان کرکے امریکہ کو چونکا دیا ہے۔

واضح ہو کہ سین اسٹون امریکہ کے آسکر ایوارڈ جیتنے والے ہدایت کار اولیور اسٹون کے صاحبزادے ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے خبر رساں ایجنسی اے، ایف، پی کے نمائندہ سے گفتگو کے دوران کہا کہ اسلام قبول کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے حضرت عیسی علیہ السلام اور موسی علیہ السلام کو ماننا چھوڑ دیا ہے، بلکہ اسی سلسلے سے تعلق رکھنے والے حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری نبی ورسول تسلیم کرلیا ہے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ، ۲۰۱۲/۲/۱۶ء)

☆☆☆

اخبار جامعہ

عدالت صحابہ کے عنوان سے منعقد ہونے والی کانفرنس میں جامعہ سلفیہ کے اعلی وفد کی شرکت:

دہلی میں منعقد ہونے والی ۳۱ رویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بعنوان: عدالت صحابہ، بتاریخ ۲-۳ / مارچ ۲۰۱۲ء میں جامعہ سلفیہ کا ایک موقر وفد ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود صاحب، نائب صدر جامعہ مولانا شاہد جنید صاحب اور جناب مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب استاذ جامعہ سلفیہ نے شرکت فرمائی۔

افتتاحی پروگرام میں مولانا عبداللہ سعود صاحب نے اس کانفرنس کے سلسلہ میں اپنے تاثراتی کلمات پیش کیا اور امام محترم ڈاکٹر سعود بن ابراہیم الشریم کو خوش آمدید کہنے کے ساتھ ساتھ کانفرنس کے انعقاد پر مرکزی جمعیت کو ہدیۂ تبریک پیش کیا، جامعہ سلفیہ کے وفد نے محترم امام حرم سے اہل حدیث کمپلکس اوکھلا میں ملاقات کی اور ان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا، جس میں حکومت سعودی عرب کی خدمات جلیلہ اور جامعہ سلفیہ کے دیرینہ روابط کا ذکر کیا اور ائمہ حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل اور شیخ عبدالرحمٰن السدیس کے جامعہ سلفیہ میں قدوم میمنت پر شکریہ ادا کیا نیز ناظم جامعہ سلفیہ نے آپ کو بھی جامعہ سلفیہ آنے کی دعوت دی۔

جناب مولانا عبدالوہاب حجازی صاحب نے پروگرام کی ایک نشست میں ''صحابہ کرام اور فروغ انسانیت'' کے عنوان سے خطاب فرمایا۔

لجنۃ الثقافۃ کی چھٹی نشست:

جامعہ سلفیہ کے لیکچر ہال میں بروز جمعرات بتاریخ ۲۰۱۲/۲/۲۳ء کو بعد نماز عشاء ندوۃ الطلبہ کے تحت چلائی جانے والی ''لجنۃ الثقافۃ'' کی چھٹی نشست کا انعقاد عمل میں آیا، جس کی صدارت صوت الامۃ کے مدیر فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی صاحب/حفظہ اللہ وتولاہ نے فرمائی۔

پروگرام کا آغاز بلال حسین مزمل حق کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، اسکے بعد انعام الرحمٰن ثناء الرحمٰن نے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی۔ تلاوت ونعت کے بعد ایک علمی مناقشہ بعنوان: ''بین القائلین باحتفال مولد النبی ﷺ ومخالفیھم'' پیش کیا گیا، یہ مناقشہ دو گروپ کے مابین بزبان عربی ہوا، ایک فریق ''محمدی'' تھے اور اس فریق نے عید میلاد النبی کے بدعت ہونے کے دلائل پیش کئے اور دوسرا فریق ''رضوی''، جس کے قائد نسیم اختر عبدالمجید تھے، جس نے اس دعوی کی تردید کی اور اسے محبت رسول اللہ کا تقاضا قرار دیا۔ دونوں ہی فریق نے دلائل سے اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی، یہ مناقشہ تقریباً ۱ گھنٹہ تک چلتا رہا۔

اس اہم علمی مناقشہ کے بعد نسیم اختر عبدالمجید نے ایک نظم پیش کی پھر اس کے بعد انگریزی زبان میں مکالمہ پیش کرنے کے لیے طریف الزماں محمد ابوطاہر اور مقصود عالم ابوالکلام کو دعوت دی گئی، مکالمہ کا عنوان تھا "Valentine's day: Right or wrong?" جو کہ بہت ہی حساس اور دلچسپ موضوع تھا، دونوں طلبہ نے بہترین انداز میں مکالمہ کو پیش کیا۔

مکالمہ کے بعد فرحان عبدالمجید نے حاضرین سے سوالات کئے اور طلباء نے ان کے جوابات دے کر اپنی علمی صلاحیتوں کا ثبوت دیا، پھر صدر محترم نے طلباء کو عربی زبان میں خطاب کیا نیز آپ نے اردو کے علاوہ عربی اور انگلش زبان پر عبور حاصل کرنے کے لیے زور دیا اور اس پروگرام کی بابت اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تمام مشترکین کی تعریف کی اور مبارکبادی بھی پیش کی۔

آخر میں صدر محترم کے ہاتھوں جملہ مشترکین کو قیمتی انعامات سے بھی نوازا گیا۔ ☆☆☆

سبحان اللہ

سالک بستوی/ایم اے

ہے میرا وظیفہ رب علی سبحان اللہ سبحان اللہ
ہر سو ہے تری وحدت کی ضیا سبحان اللہ سبحان اللہ

طاعت کی ترے شیدائی ہیں وہ شمس وقمر وہ کاہکشاں
ہے چرخ کہن مداح ترا سبحان اللہ سبحان اللہ

شاداب ہے تجھ سے صحن چمن ہر گل میں بسی خوشبوئے عدن
کہتی ہے چہک کر باد صبا سبحان اللہ سبحان اللہ

دلچسپ فضائے گلشن میں مہکار تری تسبیح کی ہے
ہر مرگ پہ کندہ نام ترا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہُد ہُد کی صدائے حق حق میں بل بل کی رسیلی غزلوں میں
سجتی ہے تری پر لطف ثنا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہر سانس میں ہے تحمید تری آنکھوں میں تجلی تیری ہے
قدرت کی کتاب دل میں لکھا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہر سمت حکومت تیری ہے آباد یہ دنیا تجھ سے ہے
مٹھی میں تری ہیں ارض وسما سبحان اللہ سبحان اللہ

سالکؔ کی دعا ہے رب علی تو بخش دے اس کو فکر رسا
ہونٹوں پہ سجائے روح نوا سبحان اللہ سبحان اللہ

☆☆☆

باب الفتاوی

مندرجہ ذیل مسائل کا جواب قرآن وسنت کی رو سے دینے کی زحمت گوارا کریں:

(۱) بلوغت کے بعد بچوں کا ایک ہی بستر میں سونا درست ہے؟

(۲) حجامت کا وہ پیشہ (کام) جس میں داڑھی مونڈنا بھی شامل ہے کرنا صحیح ہے؟ اور کیا ایسے کاموں کے لیے دکان کرایہ پر دینا از روئے شرع درست ہے؟

الجواب بعون الله الوهاب ومنه الصدق والصواب:

(۱) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اللہ رب العالمین نے قرآن کریم کے اندر ارشاد فرمایا کہ: ''یا أیها الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم نارا.....الخ'' (التحریم:۶) اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کو ایک نہایت اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ فرمایا کہ وہ اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی بھی اصلاح کریں اور ان کو اسلامی تعلیم وتربیت سے روشناس کرادیں۔ لہذا والدین پر ضروری ولازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی ہر حرکت سے دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں جو اسلامی احکامات کے منافی ہو، اسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت اسلامی نہج پر کرنے اور ان کو معاصی وشر سے بچانے کے لیے کئی ایک اقدامات کئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ بچہ جب دس سال کی عمر کو پہنچ جائے اسے ایک ساتھ سونے نہ دیا جائے بلکہ الگ بستر دیدیا جائے، تاکہ وہ ابتدا ہی سے غلط خیالات وشیطانی حرکات سے محفوظ ہو جائے۔

اللہ کے پیارے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مروا أولادکم بالصلاة وهم أبناء سبع سنین واضربوهم علیها وهم أبناء عشر سنین وفرقوا بینهم فی المضاجع'' (صحیح سنن ابی داؤد، ح:۵۰۹، ارواء الغلیل، ح:۲۴۷، صحیح الجامع الصغیر ج ۲/۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ح ۵۸۶۸) یعنی اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں نماز چھوڑنے پر سزا دو اور ان کا بستر الگ کردو۔

علامہ مناویؒ جامع صغیر کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: ''أی فرقوا بین أولادکم فی مضاجعهم التی ینامون فیها إذا بلغوا عشرا حذرا من غوائل الشهوة وإن کن أخواتٍ'' یعنی بستر جہاں وہ سوتے ہیں جدا جدا (الگ الگ) کردو، شہوت کی مصیبتوں سے ڈرتے ہوئے اگرچہ دو بہنیں ہی کیوں نہ ہوں۔

اسی طرح علامہ محمود محمد صاحبؒ سنن ابی داؤد کی مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''وفرقوا بینهم فی المضاجع أی المراقد لأنهم إذا بلغوا عشر سنین یقربون من أدنی حدا لبلوغ فتکثر شهواتهم فیخاف علیهم الفساد وفی هذا دلالة علی انه یجب علی الولي أن یفرق بین الصبیان فی المضاجع ولو کانوا إخوة.....''۔

ان کے بستروں کو الگ الگ کردینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سونے کی جگہوں کو جدا جدا اور الگ الگ کردو، یہ اس لیے کہ جب بچے دس سال کی عمر کو پہنچتے ہیں تو وہ بلوغت کی ادنی حد کے قریب ہو جاتے ہیں، اس وقت ان کی شہوت زیادہ

ہوجاتی ہے،اوران پرفساد وخرابی کا ڈر وخوف زیادہ ہوتا ہے، یہ چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ولی پر واجب اورضروری ہے کہ وہ بچوں کے درمیان سونے کی جگہوں کوعلاحدہ کردے،اگر چہ وہ بھائی بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔

اوپر مذکورقرآن کی آیت اورحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اوراس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ بچوں کوابتداء ہی سے اچھی باتوں کی طرف توجہ دلائی جائے تا کہ وہ نماز، روزہ،تقویٰ، پرہیزگاری اور اخلاق حسنہ کے عادی بن جائیں اور بداخلاقی وشر سے بچے رہیں،اسی کے پیش نظر شریعت اسلامیہ بچوں کودس سال کی عمر ہی سے الگ الگ بستروں میں سونے کی ہدایت کرتی ہے تا کہ وہ اخلاق رذیلہ اور بری عادت میں ملوث نہ ہوں،ہمیں اس بات کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

(۲)صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عشرمن الفطره قص الشارب واعفاء اللحية''(صحیح مسلم،کتاب الطہارت،باب خصال الفطرۃ ،ح:۲۶۱)یعنی دس خصلتیں فطرت سے ہیں،ان میں سے مونچھیں تراشنااورداڑھی بڑھانا بھی ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اوراس معنی ومفہوم متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی بڑھانا فطری اورجبلی امر ہے اس کومنڈوانا یا کتروانا فطرت کو بدلنا ہے اور یہ شیطانی عمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت دیکر پیدا کیا ہے اورمرد وعورت کے درمیان جوامتیازات وفرق رکھے ہیں،ان میں سے ایک امتیاز اورفرق داڑھی ہے، داڑھی مرد کی زینت ہے۔

متعدد احادیث صحیحہ میں داڑھی رکھنے اوراسے علی حالہ چھوڑ دینے کا حکم موجود ہے،اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے،اوراس پرعمل نہ کرنا باعث گناہ کبیرہ وغضب الٰہی کودعوت دینے کے مترادف ہے۔

حجام کا پیشہ(اگر بال ومونچھ کاٹنے یا مونڈنے کا ہو)یقیناً جائز ودرست ہے،لیکن اگر کوئی حجام داڑھی مونڈنے یا کترنے کا کام کرے تو یہ ناجائز وحرام ہے اس لیے کہ یہ گناہ ومعصیت پر تعاون ہے جوشرعا بالکل حرام ہے اورجس کام کوشریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی کمائی اوراجرت بھی حرام ہے،لہذا داڑھی مونڈنا،اس کے ذریعہ سے اجرت حاصل کرنا یہ بھی حرام ہے،اسی طرح داڑھی مونڈنے والے کودکان کرائے پر دینا اس کے ساتھ فعل حرام پر تعاون ہے، یہ بھی حرام ہے۔

اسی طرح زردہ،تمباکو،گٹکھا وغیرہ کوجس طرح کھانا حرام ہے اسی طرح اسے بیچنے کے لیے دکان کرایہ پر دینا بھی حرام ہے،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (المائدۃ:۲)یعنی گناہ اورظلم وزیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قران وسنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق بخشے،آمین۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆